نورچشمی ریاض فاطمہ بیگم سلمہا کو بطور ہدیہ دیں ۔ ۱۸ مارچ ۱۹۱۴ء
ریاض

ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ

لکچر

(۱) محمدؐ عربی نے دُنیا کا اخلاق دُرُست کرنے کیلئے کیا کیا
(۲) اسلام کی بعض حیثیات

جو

انجمن تہذیب الاخلاق بنارس کے
جلسہ ہائے اسلامی منعقدہ ۱۹۰۹ء و ۱۹۱۴ء میں دئے گئے

مرتبۂ

سید ریاض علی ریاض
مؤلف
الکٹر اردو شہید اعظم وغیرہ

مطبوعہ رفاہ عام سٹیم پریس لاہور بحیثیت ضمیمہ البرہان لاہور

مطلب

باوجود کمی وقت چونکہ ان تقریروں میں شارع مقدس اسلام کی لع
حیثیات پر اس طرح نظر کی گئی ہے۔ جو نہ جاننے والوں کے لئے ذریعہ واقف
اور جاننے والوں کے لئے دلچسپ مطالعہ ہو۔ مناسب سمجھا گیا۔ کہ یہ تقریر
رسالہ کی شکل میں مرتب کرالی جائیں۔ جو احباب اور مشتاقان مطالعہ کے کام
میں قابل اڈیٹر البرہان کے نوٹ کا پُر اخلاص شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور لکچر
تعارف کے متعلق اُن کے اس فقرہ کو اپنی غرض میں شامل کرتا ہوں۔ کہ "ا
لکچروں کے دیکھنے سے غیر مسلمین احباب بھی اگر نظر انصاف سے ملاح
فرمائینگے۔ تو آئندہ اسلام و بانیٔ اسلام کے متعلق بہت کچھ حسن ظن پیدا کرتے ہونگے۔
اُن کے خیال میں اسلام کی وہ بھیانک صورت جو اب ہے نہ رہیگی۔ بلک
اسلام مجسمہ تہذیب و اخلاق (وعقل سیاسی) نظر آئیگا"

خاکسار

ریاض

غلط نامہ

غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر
جوابات سے	جوابات	۳	۱۵		...شن	۲۱	۱۷
معتقداوں	مقتداؤں	۴	۲	سے"	نے	۲۲	۱۶
...یک	ایک	۸	۱۷	حدداری	جنبہ داری	۲۳	۱۵
روپانیشاد	اوپانیشاد	۹	۳	عالم کی	عرب کہ	۲۴	۱۸
ایرینوکے	ایرانیونکے	۱۰	۱	تھی	ہے	۲۴/۱	۱
حامل	حائل	۱۰	۵	درستی	وآشتی	"	۵
ہے	ہو	۱۰	۱۷	کے	سے	"	۱۸
رہا	ہے	۱۳	۵		جو ہیو	"	۲۰
کراتا رہا	کراہتا ہے	"	"	ہل	۰	۲۴/۲	۱۴
دلوں	ڈیون	۰	۱۶	جرم	حرم	۲۴/۲	۷
آشکار	آشکارا"	۱۵	۹	روس	ٹھوس	"	۱۹
والوں	والے	۱۶	۳	وہ	۰	۲۵	۶
سمجھی جائیگی	سمجھا جائیگا	۱۷	۴	میں	۰	"	۱۰
قریب	یا عزیز قریبا	۱۹	۶	قوب	فریب	۲۷	۲۱
	وہ دینا	۱۹	۲۱	اس سے	ایسے	۲۸	۱
	ہزار ہزار	۲۱	۱۶	مبیں	مبنی		

غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر
تمیز	تحیّر	۳۲	۴	خبر	خیر	۶۰	۲۱
پچاس	پچاسی	۳۶	۱۷	مارکوئیں	مارکونی	۶۱	۲
کھاتا	کھایا	۳۷	۴	فاضلین	سابقین	۶۱	۷
مسلمانوں کی	مسلمانوں کے ہادی کی	۳۷	۱	فطرت نہ جزو	فطرت نہ صرف	۶۲	۲
نظیر	نظر	۴۰	۱	وہ	وہ جو	۶۲	۸
پھر کہارٹ	برکھارٹ	۴۱	۲-۳	توسد	توحید	۶۵	۱۶
پُرلطیف	پُرلطف	۴۴	۱	اپولوجن	اپولوجی	۶۶	۱۱
الفطرۃ	الفطرۃ الاسلام	۴۵	۲	سب سے	بہت	″	۲۱
مردم	روم	۴۸	۹	دن	دین	۶۷	۶
خواہ	خود	۴۹	۲	وہاں	۔	۶۸	۲
صحب	ضعف	۵۰	۱۱	جمعیت	حقیقت	۶۸	۲۱
دماغی	دفاعی	۵۰	۲۱	امتیاز	اعتبار	۶۹	۲
نہیں	ہیں زحمتیں	۵۱	۱۳	والنٹیر	والیٹیر	۶۹	۲۱
بڑے	بُرے	۵۵	۲	مرکر		۷۱	۶
کرتے	کرنے	۵۵	۹		دلوں	۷۱	۱۹
صنعت	ضعف	۵۷	۲	اُن راعات	اُن ساعات	۷۱	۲۱
نہیں	-	۵۸	۱۶	وقت سے	وقت	۷۳	۱۰

نبی عربیؐ نے دُنیا کا اِخلاق دُرُست کرنے کے لِئے کیا کِیا؟

باسمہٖ سبحانہٗ

جناب صدر علماء و حاضرین!

بڑا خوشگوار ہے وہ فرض جس کے لئے مَیں کھڑا ہو گیا۔ لیکن نہایت ہی مشکل ہے وہ کام جس کے لئے بظاہر کھڑا ہو گیا ہُوں۔ میرا ایمان ہے۔ کہ اگر میرا پہلا حسن مضمون کی خوشگوار حیثیت کا نہ ہوتا۔ تو یقیناً آج فرض کی اہمیت مجھے دو پیروں پر کھڑا نہ دیکھتی اس سے زیادہ کسی مسلمان کے لئے کونسی خوشگوار بات ہو سکتی ہے۔ کہ وہ مسلمانوں کے مجمع میں کھڑا ہو کر اپنے اور سب اُس کے ہادی کے متعلق وہی کچھ کہنا شروع کرے۔ جو تعریف اور خوشنودی کے بندھے ٹِکے مقامات سامع اور قاری دونوں جانتے ہیں۔ اور تھوڑی دیر میں مجلس کا ہر گوشہ زندہ نظر آئے۔ ذاکر دل ہی دل میں یہ برافروختگی دیکھ کر خوش ہو جائے۔ کہ خوب پڑھا۔ اور سُننے والے خوش ہو جائیں۔ کہ خوب داخل ثواب ہُوئے۔ ذاکر نے بڑے شدومد سے پڑھا۔ لیکن یہ آسان خوشی اُس کے نصیب میں نہیں ہو سکتی۔ جو یہ جانتا ہے۔ کہ ہم کیا کہنے کھڑے ہُوئے ہیں۔ اور جو کچھ ہم کر رہے ہیں۔ وہ ہمارے ہم قوموں کے وجدانی جوش سے چشم پوشی کر کے کہاں تک ایک صاحب شعور انسان کے نزدیک قابل توجہ ہو سکتا ہے +

اس سے آپ حضرات ملاحظہ فرمائینگے۔ کہ میری نگاہ میں اس خفیف وجدان مسرت کو

میرا کام رحم کے تبسم سے دیکھ رہا ہے۔ میں اکثر اوقات سُننے اور سُنانے والے دونوں کی حالت پر ہنستا ہوں۔ کہ ایک نے بغیر اس بات کا خیال کئے کہ وہ کس کا حال سُننے کے لئے کھڑا ہے۔ غافلانہ آمادگی ظاہر کی۔ اور دوسرا بغیر اس کا اندازہ کئے ہوئے کہ وہ کس کا حال بیان کر رہا ہے۔ اپنی طلاقت اور بے غور معلومات کے زعم میں کہتا گیا۔ جو سے کہنا تھا۔ مجھ پر ایک انگریزی میگزین میں کسی مضمون نگار کے اس فقرہ کا نہایت زبردست اثر پڑا۔ کہ "ابھی وہ لڑکا نہیں پیدا ہوا ہے۔ جو محمد عربی کی عقلی سوانح عمری مرتب کر سکے"۔ یہ فقرہ اپنی حیثیت میں نہایت متصوفانہ شان رکھتا ہے۔ اور ساتھ ہی قوت کے ساتھ اس امر کو پیش کرتا ہے۔ جس کے ظاہر کرنے کا اس میں ارادہ کیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ موصوف کے حالات ایسے اور اسقدر ہیں۔ کہ سوانح عمری مرتب کرنے کی محنت گوارا کی جائے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ترتیب واقعات سے زیادہ مشکل موصوف کے واقعات کا اظہار اور نمود عقلی ہے۔ جو واقعات سے ظاہر ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ابتک جس قدر سوانح عمریاں لکھی گئی ہیں۔ وہ اس حیثیت سے ناتشفی بخش ہیں۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ہجرت کے ۱۳۰۰ سال نے ابتک وہ لڑکا نہیں پیدا کیا۔ جو اس کمی کو پورا کرتا۔ اور اُس یاس کا دفع کرنیوالا ہوتا۔ جو اس فقرہ سے جھلک رہی ہے +

میں نے یہ فقرہ اس لئے عرض نہیں کیا ہے۔ کہ اس کے متعلق وسعت سے کچھ عرض کروں۔ بلکہ اس لئے کہ آپ بھی میری طرح اس پر غور کرنے میں شریک ہوں۔ اور میرے اس یقین پر توجہ فرمائیں۔ جہاں تک آپ کو گنجائش ہو۔ کہ اگر اعتقادی فضا سے کسی قدر بلند ہو کر قوائے عقلی میں نرم۔ متین۔ بے تعصبانہ۔ جائز اور مسلسل حرکت دی جائے۔ تو لوگ محمد عربی کو اُس سے زیادہ سمجھینگے۔ جس قدر اس محدود دائرہ میں سمجھنے کی گنجائش ہے۔ میرا یہ عرض کرنا بے لگام نہیں ہے۔ لیکن احتیاطاً رفع توحش کی

غرض سے اسے اور صاف کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ جو شخص اعتقادی حیثیت
سے وراثتاً اسے قبول کر لیتا ہے۔ کہ محمدؐ عربی سفیر الٰہی تھے۔ جو بندوں کی ہدایت
کی غرض سے مبعوث ہوئے تھے۔ اُن کی پیروی باعث مغفرت اور اُن سے انحراف
باعث گمراہی اور عقاب ہوگا۔ وہ شخص جہاں بحیثیت مذہب ایک معتمد پیرو سمجھا
جا سکتا ہے۔ وہاں وہ اپنے علاوہ دُوسرے کو اپنے ہی ایسے اعتقاد کے
قبول کرنے کے متعلق کچھ کہنے کا کوئی منصفانہ اور عقلی حق نہیں رکھتا۔ وہ مذہب کی
ایک فرمانبردار رعیت ہے۔ نہ ایسا جس کی مثال اور عقل سے عمل اور کوشش سے
دوسرے بھی ویسی ہی رعایا بننے کا حوصلہ کریں۔ اُس سے فی نفسہٖ دین کے اجماع میں
تقویت ہے۔ لیکن نہ ایسا جس کے درجۂ واقفیت، علم اور عقل سے ترقی کی امید کی جا
سکے۔ اور زمانہ آئندہ اُس کی وجہ سے روشن اور حوصلہ خیز سمجھا جائے۔ وہ وقت
اب نہیں ہے۔ کہ ہم صرف مذہب کی اطاعت سے اپنے کو محفوظ سمجھ لیں۔ اور
صرف اپنی مغفرت کے وسیلہ کو دیکھ کر تسکین کر لیں۔ بلکہ زمانہ ہے۔ جو خیال کی اکثر
قیود پر مضحکہ کرتا ہے۔ مذاہب کا اثر ان آزادانہ روش کے خیال کی قوت سے
دلوں سے زائل ہوتا جاتا ہے۔ اور گویا ہر شخص اپنے مذہبی خیال کا ایک بجائے خود
نبی بنا ہوا ہے۔ ایسے وقت میں پابندی مذہب کی طرح ہمیں اس کی بھی ضرورت
ہے۔ کہ ہم ان اسباب سے مسلح ہوں۔ جو ہمیں ان آزادانہ خیالات کے دھکوں سے
اپنی جگہ سے ہٹنے نہ دیں۔ ہمارے دلوں میں شکوک قبول کرنے کا اُس قدر مادہ
نہ ہو۔ جس قدر ہمیں ثبوت کے موجودہ ذخیرہ کا اطمینان ہو۔ ہمیں قلباً اس کا سچا
یقین ہو۔ کہ اعتراض سے تسکین دینے والے جوابات سے ہم زیادہ جانتے
ہیں + حاضرین! یہ وہ موقع نہیں ہے۔ جس میں کوئی اپنے کو دھوکا دے سکے۔
جاننا ہوگا جاننے کے معنی ہیں۔ کوشش کرنے کی ضرورت ہوگی کوشش کے معنی

ہیں سمجھتا ہوں کہ وسعت ذہنی ہوگی وسعت کے معنی میں۔ جس سے یہ مطلب کہ ہم غیر مذاہب کے اصول معاشرت۔ اخلاق۔ مذہب اور قومیت اور اُن کے معتقداؤں کے حالات سے واقفیت نہ پیدا کریں۔ بہت دور ہوگا۔ رفع اعتراض کے لئے یہی کافی نہیں ہے۔ کہ ہم اپنے متعلق واقف ہوں۔ بلکہ معترض سے بھی بہت کچھ آگاہ ہوں۔ اچھا سپہ سالار وہی نہیں ہے۔ جو صرف اپنی فوج کی محافظت کر سکتا ہے بلکہ جو دشمن کی کمزوریوں کی گرفت کر سکتا ہے۔ اور اُن پر کارگر حملہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے +

اس قدر عرض کرنے کے بعد اب یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جو شخص اس تقابل اور آزادی سے جناب محمد مصطفےٰ کو دیکھیگا۔ وہ انہیں اُس درجہ سے بلند دیکھنے لگیگا۔ جس درجہ پر وہ اس وسعت کے پہلے دیکھ رہا تھا۔ میرا واثق یقین یہ ہے۔ کہ جناب محمدؐ عربی اعتراض کے بعد جیسے اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ اعتراض کے پہلے ویسے نہیں معلوم ہوتے۔ یا اعتراض کے پہلے جیسے معلوم ہوتے ہیں۔ اعتراض کے بعد وہ اُس سے نہایت ہی رفیع الشان دکھائی دیتے ہیں۔ کیونکہ جس قدر دُبلے دُبلے نا ہوشمندانہ اعتراض کئے گئے ہیں یہ جانبیاں اُن سے کہیں زیادہ قوی الجثہ ہیں +

ابتک حضرت محمدؐ عربی کی عقلی سوانح عمری مرتب نہ ہونے کی ایک قابل توجہ وجہ شاید یہ بھی ہو۔ کہ نفس انسانی خود اپنے اور دوسرے کے سمجھنے سے اکثر بالاتر رہا۔ نفس من حیث النفس تو ایک تعجب خیز چیز ہے۔ لیکن علی العموم اُس کی یہ شان عجب خیز نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ اس پر سوچنا فلسفیوں کے گوشہ تنہائی کیلئے موزون ہے۔ لیکن جو چیز اس میں عام دلچسپی پیدا کرتی ہے۔ وہ کسی نفس کی غیر معمولی قوتیں ہیں۔ جو بے ظاہر ہوئے نہیں رہتیں۔ اظہار لوگوں کو متوجہ کرتا ہے قوتیں

ایک دوسرے سے لڑتی ہیں۔ قوی سہ جاتی ہے۔ کمزور گرجاتی ہے۔ رہ جانیوالی قوت بلند ہوتی ہے۔ اور ایک عالم اُسے پہچان لیتا ہے۔ لیکن چونکہ کبھی نفس کی قوتیں دفعۃً ظاہر نہیں ہوجایا کرتیں۔ اور ظاہر ہونے کے ساتھ سمجھ بھی نہیں لیجاتیں اور اس سے یہ پورا اندازہ نہیں ہوجایا کرتا۔ کہ اس سے کون سے قوانین الٰہی کا اظہار ہورہا ہے۔ لامحالہ اس کے لئے وقت اور سوچنے سمجھنے کی ضرورت ہوا کرتی ہے نفس جس قدر عظیم اور بڑی قابلیتوں کا ہوتا ہے۔ اُس کے سمجھنے کے لئے اُسی قدر غور اور زمانہ کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ یہ ہمارے لئے کم فخر کی بات نہیں ہے۔ کہ اس ۱۳۰۰ برس کے زمانہ میں کبھی انسان نے نفس انسانی کی معلومات میں جس قدر اضافہ کیا ہے۔ حرکات نفس کا جس قدر اندازہ کیا ہے۔ اُس کی خوبیوں پر غور کیا ہے لوگوں کی زمانہ گذشتہ سے اس وقت تک جو مثالیں تاریخ نے دی ہیں۔ اُن سے جب رسول صلعم کے نفس پر غور کیا جاتا ہے۔ اُن حرکات پر جب توجہ کی جاتی ہے۔ جو رسول صلعم سے ظاہر ہوئیں۔ تو گذشتہ معلومات کے غور میں کمی اور اس وقت کچھ قابلیتوں کی خوبی میں زیادتی کا اعتراف ہوتا جاتا ہے۔ اور یہ حالتیں امید دلاتی ہیں کہ جوں جوں زمانہ کی نفس انسانی اور اُس کی خوبیوں کی واقفیت میں زیادتی ہوتی جائیگی رسول صلعم کی سوانح عمری وسیع ہوتی جائیگی۔ یعنی یہ معلومات ہمیں رسول صلعم کی اُن خوبیوں کے سمجھنے میں مدد دینگی۔ جو اس وقت تک ضمنی علوم کی کمی کی وجہ سے پوری سمجھ میں نہ آسکتی تھی +

اس پر ایک خوش فائقہ سوال یہ کیا جا سکتا ہے۔ کہ پھر ایک لامعلوم زمانہ تک رسول صلعم کے نفس اور عقلی سوانح مرتب نہیں ہوسکتے۔ نہ ہو۔ یہ وہ اعتراض ہے جس سے ہمارے رسول صلعم کی کسرِ شان نہیں ہوتی۔ اور ہمیں بحیثیت مقلد کے اپنے ہادی کی شان معلوم ہوتی ہے۔ اگرچہ ہم اُس کی اس شان اور عقلی ترتیب اُس کے

نفس اور اُس کی عظمت کے دکھانے اور تسکین دہ کمال کے ساتھ سمجھانیکی قابلیت نہ رکھتے ہوں +

نہ اس کے یہ معنی ہیں۔ کہ ہم چونکہ رسولؐ کے حالات۔ اُن کے مدارج عقلی کے نمو۔ اُن کے نفس کے صفات کی نمود سے پوری طرح واقف نہیں ہیں۔ اور اُس کے اُس طرح ظاہر کرنے سے قاصر ہیں۔ جس طرح چاہئے۔ تو ہم قطعاً زبان بند کرلیں۔ نہیں۔ بلکہ اس کی ضرورت ہے۔ کہ اپنے سے زیادہ قابل لوگوں کے خیال رسولؐ کے متعلق دیکھیں۔ اور اُنہیں سمجھائیں۔ جو ہم سے کم جانتے اور کم سمجھتے ہیں +

جناب صدر! مَیں حضور کو یقین دلاتا ہوں۔ کہ مَیں اس مضمون کو "نبی عربیؐ نے دُنیا کا اخلاق درست کرنے کے لئے کیا کیا؟" جو عزت افزائی کی غرض سے آج میرے حوالہ کیا گیا ہے۔ بھولا نہیں ہوں۔ مَیں ابتک اس خیال میں تھا۔ کہ کام کرنا جس قدر فرض ہے۔ اُس کام کی مشکلات کا اندازہ کرلینا بھی اُس کو اچھی طرح انجام دینے کیلئے ویسا ہی فرض ہے۔ مَیں ابھی اُس بزرگ کی ذات کا تعارف کرا رہا تھا۔ جس کے بعض کاموں پر آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں +

مناسب ہوگا۔ کہ مَیں پہلے گھر سے شروع کروں۔ مختصر لفظوں میں دکھاؤں کہ یہ کس حالت میں تھا۔ اس پر توجہ دلاؤں۔ کہ رہنے والے کیا کر رہے تھے۔ اور کن خیالات میں غلطاں و پیچاں تھے۔ یہ سوال کروں۔ کہ اُن بیرونی اقوام نے جن سے عرب کو ملکی یا تجارتی تعلق تھا۔ اس کے عادات و اطوار درست کرنے کے لئے کیا کیا۔ اور کیا کرسکتے تھے۔ وہ خود اس قابل تھے یا نہ تھے۔ اس کے بعد یہ دیکھنا ہوگا۔ کہ محمد عربیؐ نے کیا کیا؟ کس طرح کیا؟ کتنے زمانہ میں کیا؟

حضرات! عرب کے مراسم قبیحہ اور اُس کے عادات و اطوار کے اشارہ کیلئے کافی تھا۔ کہ مَیں مراسم العرب قبل الاسلام یا دیگر تواریخ کا جن میں زمانہ جاہلیت کا حال ملتا

ہے۔ نام لے دیتا۔ مگر مختصر لفظوں میں بعض رسومات قدیم کا نام گنوا دینا ناموزوں نہ ہوگا۔ عرب کی خاصہ طبیعت میں انتقام اور جاہلانہ حمیت خصوصیت کے ساتھ بانمود ہے۔ وہ سمجھتا تھا کہ جب تک کہ مقتول کا انتقام نہ لیا جائیگا۔ اُس کی رُوح اُلّو کی شکل میں تمام شب چیختی رہیگی۔ بعض زبردست فرقہ کے شیخ نے اپنے سے کمزور اور مفتوح قبیلہ جدیس کے لئے یہ ذلیل شرط لگا دی تھی۔ کہ اُس کی لڑکیاں شب عروسی کو بجائے شوہر کے پیشتر فاتح قبیلہ کے سردار کے پاس بھیجی جایا کریں۔ مثالیں شاذ نہیں ہیں۔ کہ ایک اُونٹ یا ایک گھوڑے کے لئے برسوں لڑائیاں قائم رہیں۔ اور مخلوقات الٰہی میں سے سیکڑوں ہزاروں جاہلانہ حمیت پر صدقہ ہو گئے۔ ایک وہم دُوسرے وہم پر سبقت لے جاتا تھا۔ اور مشکل سے اُسے حق یا باطل کی تمیز کا کوئی خیال پیدا ہوتا تھا۔ دختر کشی اُس کی شان میں داخل تھی۔ کسی معشوق کے پیچھے اُونٹ دوڑانا اُس کی شاعری کے لئے ایک موضوع تھا۔ شراب۔ جوا۔ قتل اُس کے اشغال تھے۔ باپ کے حرم پر تصرف کرنا اُس کے لئے شرم کی بات نہ تھی۔ اور نہ اُس کے خیال میں اس فعل سے گناہ کا تصور کوئی انقلاب پیدا کرتا تھا۔

عرب کا مذہب بھی اُس کی حوصلہ خیز طبیعت کا ایک ثبوت تھا۔ اُس نے ایک دو خداؤں پر قناعت کرنا کسر شان سمجھی تھی۔ اور کسی وقت کے گوشہ عبادت خانہ کعبہ کو مرکز خدائی قرار دے کر اکٹھے تین چار سو خدا ڈھیر کر دئے تھے۔ فطرت کے اثر کن عناصر اور صورتوں نے گم کردہ راہ خیالات پر جو خوف کا اثر ڈالا تھا۔ اُنکی شاعرانہ صورتیں پتھر کی گڑھی گئی تھیں۔ اور اثر کے موافق خُردی اور بزرگی کا تناسب رکھا گیا تھا۔ اُنہیں اس کا مطلق خیال نہیں ہُوا۔ کہ وہ اپنے بنائے ہوئے خدا کی پرستش نہ کریں۔ اگرچہ غالبًا اپنے بنائے ہُوئے خدا کا خیال تھا۔ کہ اُنہیں اُن سے محبت ہو گئی ہوگی۔ اُن کا دماغ مطلق اس تصور کی طرف مائل نہیں ہُوا۔ کہ فطرت کی وہ

چیزیں جن سے وہ مرعوب ہو گئے ہیں۔ خود مصنوعیت کے آثار سے خالی نہیں ہیں اُسے اکل و شرب کے مادی حرام و حلال پر کبھی توجہ ہی نہ ہوئی تھی۔ اور نہ سزا و جزا نے اُس میں کوئی خوف اور امید پیدا کی تھی۔ عرب میں اکثر دہریہ بھی تھے۔ عرب پرانے زمانے میں وہ درمیانی ذریعہ تھا جس کی وساطت سے ہندوستان کی چیزیں دیگر ممالک مغربی میں جایا کرتی تھیں۔ اور اسی طرح مغرب کی اشیاء تجارت عرب کے ذریعہ سے ہندوستان میں پہنچتی تھیں۔ یعنی عرب کو ہندوستان سے تجارتی تعلق تھا۔ اور یہ خیال کیا جا سکتا تھا۔ کہ شائد اس زرخیز ملک کی شائستگی اور تہذیب نے کچھ اثر کیا ہوتا۔ لیکن جس نے ہنود کے چھ مدرسہ فلسفہ پر سرسری نگاہ بھی ڈالی ہے۔ اُس کے لئے یہ سمجھنا دشوار نہیں ہے۔ کہ اس میں موحد اگر کوئی ہو۔ مذہب کا ویسا ہی ایک جزو ہے۔ جیسا کہ ملحد یا موحد اور مشرک میں کوئی امتیازی فرق نہیں ہے۔ کوئی وید کی قدامت اور خود اُس کے خدا ہونے کا مُقر ہے۔ کوئی اگر ایک قادر مطلق تک بڑی بڑی اُلجھنوں کے بعد پہنچا بھی ہے۔ تو نہ اس طرح کہ اُس نے چھوٹے چھوٹے مطلق العنان خداؤں کا نشان نہ چھوڑا ہو۔ یا جن میں سے ہر ایک اپنے موقع پر قادر مطلق نہ سمجھا جا سکتا ہو +

وید کے اکثر بھجن جو خداؤں کے متعلق ہیں۔ صفائی سے یقین دلاتے ہیں۔ کہ عمل تجسم سے عجائبات فطرت خدا بنتے جاتے ہیں۔ بہت سے خدا اُس وقت کے ہیں۔ جبکہ ایرانی اور آریہ ایک مشترک قوم تھے۔ عبد اور معبودوں کا رشتہ ہر ایک کے فوائد پر مبنی تھا۔ مثلاً یہ کہ "میں تجھے نذر دیتا ہوں۔ کہ تو بھی مجھے دے"۔ رگوید میں ایک جواری رو رہا ہے۔ کہ اگرچہ وہ اپنی تباہی دیکھ رہا ہے۔ مگر جوئے کا جادو نہیں ہٹا سکتا۔ اسی میں مُردوں کی رُوح اُس راہ پر چلتی ہے۔ جس پر اُن کے آبا و اجداد کی روح چل کر اعلیٰ ترین بہشت میں پہنچی تھی۔ اس بہشت

میں یا ماضائے بہشت جو ایرانیوں کا بھی خدا تھا۔ مع اور خداؤں کے پھتار درختوں کے سایہ اور بانسلی کی آوازوں میں "سوم" پیرہا ہے۔ اسی قدیم ترین وید میں ایک درجن منتر دشمن اور مرض کے بھگانے کے لئے ہیں۔ اس کے اکثر "رد پانیشاد" تہذیب سے دور خیالات کا اظہار کرتے ہیں"۔

بُت خانے فسق و فجور کے گھر تھے۔ افعال شنیعہ کو مذہب نے جائز کر دیا تھا۔ موت اور شہوت کے دیوتا عوام کے معبود تھے۔ ویدوں کے زمانہ میں عورتیں کشتیوں اور جوئے میں ہاری جاتی تھیں۔ اور ایک عورت متعدد بھائیوں کی جورو ہو سکتی تھی"۔ مختصر لفظوں میں "ناقص روحانیت پر مادیت غالب تھی"۔ تناسخ کا مہمی مسئلہ ایسا نہ تھا۔ جو سزا و جزا کا کوئی قابل اثر اور مفید خیال پیدا کرتا۔ اور اس طرح برائیوں سے بچنے اور بھلائیوں کی آرزو کرنے کے لئے کوئی زبردست تحریک ہوتی۔ اس سے آپ سمجھیں گے۔ کہ یہ تعلق عرب کے لئے مفید نہ تھا۔ جبکہ ہنود اُن کے مقابلہ میں خداؤں کے تھوک فروش اور وہ خردہ فروش سمجھے جا سکتے تھے۔

اکثر قبائل عرب یہودی تھے۔ لیکن باوجود زمانہ دراز گذر جانے کے بعض قبیلوں کا یہودی ہو جانا کوئی قابل لحاظ امر نہیں ہو سکتا۔ مرض نفاق اُن کا مہلک دشمن تھا۔ وہ بھی بُت پرستی کے عنصر سے خالی نہ تھے۔ اُن کے عادات و اطوار قابل تعریف حد پر نہ تھے۔ انہوں نے مجوس سے ثنوی اعتقاد قرض لیا تھا۔ جس سے وہ خدا فاعل خیر و شر قرار دئے گئے تھے۔

اب عربوں کے دو ملکی مذہب رہ گئے ہیں۔ جن میں سے ایک کا اثر سواحل مشرق و اکثر صوبجات وسطی اور دوسرے کا اثر شمال و مغرب کی طرف تھا۔ ایرانی مذہب زردشتی کے پیرو تھے۔ اور خسروان عجم عرب کے بڑے حصہ پر حکمراں تھے۔ یہ اکثر شیوخ عرب کو بڑے بڑے تحائف دیکر خوش رکھتے

تھے۔ لیکن اس کے آثار بہت کم ہیں۔ کہ کہیں عرب پر ایرانیوں کے مذہب کا کوئی اثر ہوا۔ یہ اخلاقی حالت میں نہایت ہی گرے ہوئے تھے۔ اور مجوسیوں کے اکثر مقتداؤں نے بعض ایسی باتوں کے جاری کرنے کی کوششیں کیں۔ جسے اخلاق اور جماعت کی تربیت کبھی پسندیدگی سی نہیں دیکھ سکتی۔ امراء غربا کو پیسے ڈالتے تھے۔ عیش پسندیاں توجہ اور رعایا کی خبرگیری کی راہ میں حائل تھیں۔ ان سے کیا خیر کی امید کی جائے۔ جب ان کا ایک خدائے شر ہی تھا۔ عرب کے بہت ہی شاذ و نادر قبائل نے دینِ مسیحی بھی اختیار کیا تھا۔ اُس کی مقدار سمجھنے کے لئے میور صاحب کا یہ فقرہ کافی ہوگا۔ کہ "عیسائیوں نے عرب کو پانچ سے برس تعلیم و تلقین کی۔ اس پر اکّا دکّا عیسائی کہیں نظر آتے تھے"۔ پانچسو برس۔ زمانہ کا لحاظ کر کے ایک معقول رقم ہوتی ہے۔ لیکن اس سے زیادہ تعجب خیز یہ ہے کہ خود اکثر حواری بھی اپنے اعتقاد میں راسخ نہ تھے۔ دو سو برس تک حضرت عیسےٰ کے اقوال و افعال موجودہ ہیئت کذائی میں مرتب نہ ہوئے تھے۔ جو تھی صدی میں جو نہ ہی کونسل بھی قرار دی گئی۔ تو اُس میں حضرت عیسےٰ کی الوہیت قرار دی گئی۔ حضرت مریمؑ کے بُت کی پرستش ہونے لگی۔ اور آج بھی یہ راز تثلیث صرف اعتقاد کے نزدیک قابل قبول ہے۔ ڈیون پورٹ کے لفظوں میں کسی ایسی چیز کا خیال کرنا ممکن نہیں ہے۔ جو اُس وقت کی عیسائیت سے زیادہ افسوسناک حالت میں ہے +

دینِ مسیحی جس میں قیاصرہ روم کی وجہ سے حرکت ہوئی تھی۔ اپنے علماء کو اُس قدر مذہب کے اثر میں نہ دیکھ رہا تھا جس قدر مطلق العنان دربار کے تابع سمجھتا تھا۔ انہیں اس قدر خلق اللہ کی ہدایت کا جوش نہ تھا۔ جس قدر عالم کہلائے جانے کا حوصلہ تھا۔

دُنیا کے اکثر مشہور مذاہب نے رہبانیت کو جائز کر رکھا تھا۔ بقول شخصے کہ وُہ تو اپنی نجات اخروی سے مطمئن تھے۔ مگر اور سب خلق اللہ کو جہنم کے حوالہ کر دیا تھا۔" مذاہب کا متذکرہ صدر مختصر تبصرہ آپ کو اس کے سمجھنے میں مدد دیگا۔ کہ ملکی معاشرتی اور تجارتی ذریعہ سے پہنچے ہوئے مذاہب نے عرب کے ساتھ اچھا سلوک کیا تھا یا بُرا اور وہ کچھ سُدھر اتھا یا اور بھی چوپٹ ہو گیا تھا۔ اس سے آپ نتیجہ نکالینگے۔ کہ عربوں کے ملک۔ عربوں کی آنکھ۔ عربوں کی عقل پر ہر طرف سے ایسے گہرے پردے پڑے ہوئے تھے جس کا ہٹانا قوی سے قوی ہاتھ اور سخت سے سخت طوفان سے ممکن نظر نہیں آرہا تھا۔

حضرات! یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ شاذ و نادر موحدین بھی تھے جنہیں حنیف کہتے ہیں۔ لیکن یہ لوگ بھی اگر ایسے چند ہوں۔ اور جیسا مجھے فی نفسہ یقین ہے کہ مشکل سے کوئی جگہ اور کوئی زمانہ گذرا ہے۔ جس میں اکّا دکّا موحدین نہ ہوں۔ بے فیض راہب تھے جنہیں اپنے علاوہ نہ کسی کو توحید کا سکھانا منظور تھا۔ نہ کسی کو بُری باتوں سے بچانا اور اچھے کی طرف رغبت دلانا ان کیلئے باعث یادگاری ہُوا۔ کس کام کی تھی انکی توحید۔ جبکہ انہیں اتنی جرأت نہ ہوئی۔ کہ وہ شرک کی مخالفت کرتے۔ کس کام کی تھی انکی اچھائی۔ جبکہ نصیحت کی طرف سے ان کی زبانوں پر مہر لگی ہوئی تھی۔ یہ تمام بُرائیوں کو دیکھتے تھے۔ لیکن ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کے عامل تھے۔ اس سے ظاہر ہوگا۔ کہ یہ بیدرد۔ بے زبان۔ بے اصول موحد بھی عرب کے لئے مفید نہ تھے۔ یہ کریم النفس نہ تھے خود غرض تھے۔

حاضرین! تاریخیں اس پر شاہد ہیں۔ کہ ہنود کے تجارتی تعلق نے اثر نہ کیا۔ یہود کی ہمسائگی بیسود رہی۔ قسطنطنین کی موج خیز قوت عرب کا دل نہ جیت سکی۔ خسروان ایران کے تحائف دین مجوس کے قبول کرانے کے لئے ناکافی ہے۔

حنیف نے اپنی کارگذاری کی کوئی داستان نہ چھوڑی۔ مختصر لفظوں میں مشہور مذاہب عالم خود اسقدر گرد آلود ہو رہے تھے۔ کہ دوسرے کی ہدایت کرنا امید بیجا تھی +

ان زبردست قوتوں کی ناکامیاں اُسقدر تعجب خیز نہیں ہیں جسقدر ایک غریب بے سروسامان۔ گوشہ نشین کی کامیابیاں حیرت انگیز ہیں۔ کہ اس فرد واحد نے آن کی آن میں کیا سے کیا کر دیا۔ ایک مفلوج قوم کو کس معجزہ سے بجلی کے گھوڑے پر سوار کر دیا۔ ایک بےحس قوم کو کس طرح متحرک بنا دیا۔ ایک ناستودہ جماعت کو کس طرح نصیحت پذیر بنا دیا جنگلی پھولوں کے بکھرے ہوئے اوراق جمع کر کے کیسا مناسب گلدستہ بنا دیا جس نے اچھے اچھے باغبانوں کو متحیر کر دیا۔ جیسا گلدستہ نہ اُس کے پہلے کسی نے بنایا تھا اور نہ اُس کے بعد کسی نے نقل کی جرأت کی +

آپ دیکھینگے۔ کہ یہ سب زرپاشی۔ مرتبہ اور منصب دُنیاوی کے لالچ دلاکر نہیں کیا تھا۔ بلکہ اُس زبان سے کیا تھا۔ جس کے یہ الفاظ یادگار ہیں۔ کہ "بار الہا ایک روز سیر کر کہ تیرا شکر بجالاؤں۔ ایک روز بھوکا رکھ۔ کہ تجھ سے طلب کروں" اُس دل سے کیا تھا جس میں ہدایت کا درد بھرا تھا۔ اُس ہمت سے کیا تھا۔ جس کا خیال کر کے ہمت والے کمر کھول دیں۔ اُس استقلال سے کیا تھا جسکی نظیر اوّل میں مفقود تھی۔ اور آخر میں ہمت شکن +

حاضرین! محمدؐ عربی کے دعوے نبوت پر تعجب اور تمسخر دونوں کیا گیا۔ لیکن دیکھنے کی یہ بات ہے۔ کہ وہی لوگ جو تعجب یا تمسخر کر رہے تھے۔ وہی لوگ محمدؐ عربی میں قبل ادعائے نبوّت نبی کی اکثر صفات ہونے کے قائل تھے۔ تحیر نے صفات کا انکار نہیں کیا۔ زبردست صفات ذاتی نے استقلال کے ساتھ حیرت کو یقین سے بدل دیا۔ عربوں کی لغت میں امین کا لفظ تھا لیکن شخص نہ تھا۔ محمدؐ عربی نے اس اسم صفت کو اپنا مرادف بنا دیا۔ عرب اتفاق

اور یکجہتی کے لفظ سے واقف تھے۔ لیکن نصب حجر اسود کے وقت اُنہیں یہ یاد ہی نہ آیا۔ کہ صلح اور اتفاق بھی کوئی معنی دار لفظ ہے یا نہیں۔ اور وہ آمادہ تھے کہ ایک ایسی خونی جنگ کی بنا ڈالیں۔ جس سے بیشمار لوگ قتل ہوں۔ لا معلوم زمانہ تک بدمزگیاں قائم رہیں۔ اور آخر میں مضبوط قبیلہ کمزور پر ایک زمانہ تک خاتمانہ بخار نکالتا رہا۔ اور کمزور ظلم سے بلا امید رہائی کراتا رہا۔ اُن کی خوش نصیبی سے محمدؐ عربی پیدا ہو چکے تھے۔ اس قابل سمجھے گئے تھے۔ کہ اُن کے پنچ بن سکتے۔ اور وہ اپنے اس نازک معاملہ کو بلا خوف رعایت ان کے سپرد کر سکتے تھے۔ محمدؐ عربی نے اُن کے اعتبار کا اپنے کو شایاں ٹھیرایا۔ اور ایسا تصفیہ کیا۔ کہ ایک فرد کو دوسرے سے ایک قبیلہ کو دوسرے قبیلہ سے شکایت کی گنجائش ہی نہیں ہوئی۔ بلکہ شاید قبائل کو مشترکا ایسا زور مسرت کبھی مشکل سے ملا ہوگا جس روز اُن پر سے ایک ایسی بلا ٹلی۔ اس سے جہاں محمدؐ عربی اصلی دائمی شکرگذاری کے مستحق ہوئے۔ وہاں گویا اس امر کی پیشینگوئی کردی۔ ذہن نشین کردیا۔ کہ جس طرح اس وقت میں نے تمہیں عارضی طرح سے ایک کردیا۔ اسی طرح کم زمانہ رہ گیا ہے۔ کہ تمہیں ہمیشہ ایک کردوں۔ اس وقت تم نے تھوڑی دیر اس خاص امر میں اپنا سرپنچ بنایا ہے۔ لیکن کم وقت رہ گیا ہے۔ کہ تم ہر معاملہ میں مجھی کو ڈھونڈو گے۔ جان ڈلوں پورٹ کے لفظوں میں۔ یہ صرف ایک پیغمبر نہ تھا جس کا۔ بلکہ ایک دین کی بنیاد بھی عرب حریت نسواں اور ضعفا کی حمایت سے جس قدر واقف تھے۔ اُسے بھی ایسا بھول گئے تھے۔ کہ اُنہیں اُس وقت تک یاد نہ آیا جب تک محمدؐ عربی نے اُن پر زور نہ دیا۔ اور اکثر سربرآوردہ قبائل کے علاوہ بنی ہاشم کو بھی اس کا شریک کر کے حلف نہ قائم کیا۔ محمدؐ عربی قبل اعلان نبوت لوگوں کے دلوں میں صفات کا بیج موقع موقع پر بوتے جاتے تھے۔ اور خوش مزہ خیال یہ ہے

کہ نہ اُنہیں کوئی رسمی اطلاع تھی۔ کہ وہ لوگوں کو کس طرف لے جائینگے۔ نہ لوگ اس کا اندازہ کر رہے تھے۔ کہ محمدؐ عربی اندرونی حیثیت سے ہمیں کھینچ رہے ہیں لیکن ناقابل بیان قانون محمدؐ عربی اور اُن کی ہونے والی امت بہ خاموشانہ عمل کر رہا تھا۔ ایک کو کچھ کہنے اور دوسرے کو کچھ سننے کیلئے آمادہ کرتا جاتا تھا +

متذکرہ صدر اشارے قوم کی اصلاح اندرونی کا مقدمہ کہے جا سکتے ہیں۔

لیکن اسی زمانہ میں محمدؐ عربی نے اپنی قوم کو ایک بیرونی زبردست خطرہ سے محفوظ رکھا۔ ایک عرب قسطنطنیہ کے دربار سے کچھ رشوت لیکر آیا تھا۔ کہ وہ رومیوں کو قبضہ دلا دیگا۔ محمدؐ عربی نے اُس کے خیالات سے واقفیت حاصل کی۔ اور قوم کو اس سے آگاہ کر دیا۔ محمدؐ عربی کے اس فعل کی تعریف صرف حب الوطنی کے خیال پر تمام نہیں ہو جاتی۔ بلکہ یہ بھی سمجھا دیتی ہے۔ کہ رومیوں کی اخلاقی پست حالت عرب پر قبضہ کرنے کے بعد عربوں پر اثر کرتی۔ ملکی حیثیت سے غلام ہوتے لیکن فاتحین کا اخلاق کبھی کوئی اچھا سبق نہ پڑھاتا۔ اور اُن کا ناقابل قبول اثر عرب کی جغرافی حیثیت سے دور دور پہنچکر خیالات کے فاسد کرنے میں مدد دیتا۔ پست حالت اور پست ہوتی۔ گناہوں میں آلودہ طبیعتوں پر اور رنگ الیپ چڑھتا۔ علمائے دین بھی اپنے عادات و اطوار اثر یا قوت مذہبی سے کوئی علاج نہ کر سکتے تھے۔ اس سے ظاہر ہوگا۔ کہ محمدؐ عربی نے نہ صرف عرب کو بلکہ اُن دیگر اثر پذیر ممالک کو جہاں جہاں رومی عقاب لہراتے۔ ان خوفناک حالتوں سے بچایا۔ اور اس طرح نہ صرف عرب بلکہ دیگر ممالک موجودہ اور آئندہ مخلوقات کو اس اثر اور اثر کے وحشت سے محفوظ کر کے دائمی شکر گذاری کے مستحق ہوئے +

غار حرا کا طالب العلم بہت زمانہ تک گوشہ تنہائی میں رہا۔ چالیس برس کا سن مخصوصاً نہیں ہوتا۔ اور اس کا بہت کچھ قابل قدر حصہ محمدؐ عربی نے بسبب ٹھری چپلا دیگا

بسر کیا - اب وقت آگیا تھا - کہ ہدایت خلق کے لئے بغیر کمر باندھے نہ رہ سکیں - محمدؐ عربی یہاں کیا سوچتے رہے - نہیں معلوم - کن کن چیزوں پر غور کرتے رہے - نہیں معلوم - کیا کرتے رہے - نہیں معلوم خیال کن کن راستوں پر گیا - نہیں معلوم - لیکن ایک تیز نگاہ سے دیکھنے والے کے یہ الفاظ سب سے زیادہ اس وقت کے لئے موزون ہیں "آپ نے اپنی عقل کو زندہ کیا - اپنے نفس کو مار ڈالا - حتےٰ کہ آپ کا بدن نہایت لاغر ہو گیا - قوائے قوی ضعیف ہو گئے - آپ کا مادہ بالکل لطیف اور مجرد ہو گیا - اور ایک نہایت ہی درخشندہ نور آپ کے لئے ظاہر ہوا جس نے معرفت الٰہی کی راہ روشن کر دی - اور راہ ترقیات آشکار - یہ سمجھنا سب سے زیادہ آسان ہے - کہ بہت کچھ وہی سوچا - جو اعلان نبوت کے بعد سے برابر ظاہر ہوتا رہا - اور جس نے ایک عالم کو متحیر کر دیا - اور اپنے کو اس یقین اس ہمت اس استقلال اور اس عظمت نفس کے درجہ پر پہنچایا - جس کی نظیر تلاش کرنا تضیع اوقات ہے +

محمدؐ عربی اُٹھے - اُن کے لئے اُٹھے - جن کی بُری عادتوں سے متنفر تھے - اس لئے اُٹھے - کہ انہیں بُری عادتوں سے باز رکھیں - اس یقین کے ساتھ اُٹھے - کہ انہیں لوگوں کو بُری باتوں سے ڈرانے - اور خدائے واحد کی بزرگی کا اظہار کرنے کا حکم ہوا ہے - اس جوش اس سرگرمی اس قوت اور اس صفائی سے اُٹھے - کہ ملک اور قوم کے مقابلہ میں تنہا کھڑے ہونے سے نہ زبان میں لکنت ہوئی - اور نہ پیروں میں لغزش - اپنی تنہائی اس بڑے کام کے بوجھ - لوگوں کے تمسخر اور تحیر نے بجائے جوش اور سرگرمی کے کم کرنے کے اس میں اور قوت دی - فرد سے قبیلہ اور قبیلہ سے

قوم تک آواز پہنچی۔ بازاروں۔ میلوں اور اونچے سے اونچے پہاڑوں کی چوٹیوں نے محمد عربی کی شہنانوازی توحید سُن لی۔ ایذا دینے والے تھک گئے۔ ایذا اٹھانے والا نہ تھکا۔ سُننے والے کان بند کرنے لگے۔ سُنانے والوں کی زبان میں کوئی کسل محسوس نہ ہوئی۔ ایڑیاں زخمی ہیں۔ مگر راہ خدا میں چلنے سے کوئی کسل نہیں ہے۔ کانٹے چبھے ہیں۔ مگر ان کی کھٹک روک نہیں سکتی۔ پتھر مارے جاتے ہیں۔ سیٹیاں بجائی جاتی ہیں۔ شور کیا جاتا ہے۔ مگر "لا الٰہ الا اللہ" کی آواز ہر شور پر لہرا رہی ہے۔ کوئی صحابی مشرکین کی ایذاؤں سے تنگ آکر کہتا ہے "یا رسول اللہؐ ان کے حق میں بددعا فرمائیے" یہ سُن کر چہرہ مبارک پر غصہ کے آثار پائے جاتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں "میں رحمۃ اللعالمین خلق ہوا ہوں۔ عذاب نازل کرانے کے لئے خلق نہیں ہوا ہوں۔ میری قوم جہالت سے ایسا کرتی ہے"۔ ان وقتوں میں دعا کا یہ فقرہ بہترین توجہ کے قابل ہے۔ کہ خداوندا میری مصیبتوں کو اُس طرح دفع کر دے۔ جیسا کہ تیری مشیت کا مقتضیٰ ہو"۔

آخر کیا غرض تھی۔ ان تکلیفوں کے اٹھانے سے اس کا مقصود سلطنت تھی۔ ان مصیبتوں کی برداشت کے بعد رسول کو بڑی دولت ملنے کی امید تھی۔ اس سے ایک خودسر اور مغرور بادشاہ بننا چاہتے تھے۔ کیا کوئی دماغی شکایت لاحق ہوگئی تھی۔ اگر رسولؐ کو ملک۔ حکومت اور دولت کی خواہش تھی۔ تو انہوں نے صنادید قریش کے اُس وفد کو جو لیس کردگی عتبہ بن ربیعہ یہی سب پیشکش لایا تھا۔ کورا جواب نہ دیا ہوتا۔ اگر وہ مذہب کی آڑ سے دنیاوی قوت پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ تو انہوں نے بنو عامر کو جانشین بنانے کا وعدہ نہایت آسانی سے کرلیا ہوتا۔ اور یہ طرز گوارا نہ کیا ہوتا۔ کہ اگر تم نبی ہوتے۔ تو اس طرح

زمین میں پاؤں گھسیٹتے ہوئے چلتے"۔ اگر لوگوں کو وہ اوصاف کا اپنا کام نکالنا چاہتے تھے۔ تو ابو طالب کی مفید پناہ سے علیحدہ ہو جانے کے لئے آمادہ نہ ہو جاتے۔ اُن کے حالات کو غور سے پڑھو۔ تو ابتدائی تاریخ سے انتہائی قوت تک کی مثالیں تمہیں سمجھی جائینگی۔ کہ اُن میں سلطنت بنانے کا ادنےٰ سا اور چھوٹا حوصلہ نہ تھا۔ بلکہ اُن کا تاسف۔ اُن کا غمگین تصور۔ اُن کی سرد آہیں۔ اُن کی آنکھوں کے پاک قطرے تمہیں بتائینگے۔ کہ اُنکا مشن آدمی بنانے کا تھا۔ اُن کی تعلیم کا جوہر یہ تھا۔ کہ دنیا کو مثالی اچھے آدمیوں سے بھر دے۔ تیز طبیعت اور اثر پذیر عرفی نے یہ شعر سمجھ کے کہا ہے۔ کہ ؎

شہنشاہے کہ ہست از غایت درویشی آہنگ

وجود خود فراموشش ز غم عالم فراوانش

وہ لوگ جو دماغی شکایت کا خیال کرتے ہیں وہ دوسری جگہ یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ کسی معمولی عقل کے آدمی نے نہیں سُنا۔ مگر یہ کہ وہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ وہ اس کے بھی قائل ہیں۔ کہ محمد عربی کے اثر کا سمجھنا مشکل ہے۔ جب تک یہ نہ سمجھا جائے۔ کہ اُن کی روحانیت عرب سے کس قدر عظیم تھی۔ خدا کا رسول اصقول خدا کہنا کافی نہ تھا۔ جو اعتقاد ان کی طرف تھا۔ وہ کسی دھوکا دینے والے کے لئے دیر تک قائم نہیں رہ سکتا تھا۔ بلکہ وہ صداقت اور سنجیدہ پرستی تھے۔ اور عملیت پائی جاتی تھی"۔ وہی اس کے بھی قائل ہیں۔ کہ "عالم خراب میں بھی محمد عربی کا ورک باطنی قائم رہتا تھا"۔ اگر سچ مچ ان میں دماغی خرابی ہوتی۔ تو انسانیت کے نزدیک وہ ہنسنے ہنسانے کے لائق نہ تھے۔ بلکہ رحم کے مستحق تھے۔ اب

اگر معترضین کو عذر نہ ہو۔ تو میں اُن کی دماغی تحقیقات کے متعلق سوال سے جن کی
فیس ادا کر سکتا ہوں +

حضرات! اگر عرب کو محمدؐ عربی کے دعوے پر جاہلانہ عجب تھا۔ تو آج
مدعیان ادراک اقتضائے عالم کے سمجھداروں کو محمدؐ عربی کے عمل اور کامیابی
پر طفلانہ حیرت ہے +

کیا دیکھا تھا رسولؐ نے یاسرؓ کو۔ کہ اُس کا برہنہ جسم عرب کی ریگ
پر جلتا ہوتا۔ سینہ پر بھاری پتھر رکھا ہوتا۔ مگر وہ اس حالت تکلیف میں
مر جانا گوارا کرتا۔ مگر مذہب سے پھر جانا منظور نہ کرتا۔ آپ نے محیصہ ابن
مسعود کی نقل سُنی ہوگی۔ کہ انہیں ایک مجرم یہودی کے قتل کرنے کا
رسولؐ نے حکم دیا۔ ان کا دُوسرا بھائی حویصہ اسلام نہ لایا تھا۔ وہ کہنے
لگا۔ "محیصہ کیا تو اس یہودی کو قتل کریگا۔ حالانکہ تیرے جسم کی بہت سی
چربی اس کے مال سے بنی ہے"؟

جواب دیا۔ "اگر رسولؐ حکم دیں۔ تو تجھے بھی قتل کر ڈالوں۔ اگرچہ تو
میرا بھائی ہے +

حویصہ کو بھائی کے اس کہنے کا یقین نہ آیا۔ اور پُوچھا۔ کیا تو سچ مچ
یہ کہتا ہے۔ اور جب دیکھا۔ کہ اُس کے قول میں شبہ کی گنجائش نہیں
ہے۔ تو کہنے لگا۔ "وہ مذہب بڑا عظیم ہے جو ایسا اثر ڈال سکتا ہے" +

حضرات! انسان اپنے نہ جاننے والوں کو دھوکا دے سکتا ہے۔
اپنے جاننے والوں کو دھوکا نہیں دے سکتا۔ اور ایک صاحب شعور
انسان اپنے کو تو دھوکا دے ہی نہیں سکتا۔ محمدؐ عربی کے ماننے والوں
میں سب سے زیادہ غور سے دیکھنے کی بات یہ ہے۔ کہ وہ لوگ

جنہوں نے رسولؐ کو دیکھا تھا۔ وہ نہ دیکھنے والوں سے زیادہ راسخ
الاعتقاد تھے۔ جنہوں نے کچھ رسول سے سُنا تھا۔ وہ صرف دیکھنے
والوں سے زیادہ صاحبِ یقین تھے۔ اور وہ لوگ جنہیں ہمیشہ
حضوری حاصل تھا دیکھتے اور سُنتے تھے وہ رسولؐ اور رسولؐ کی
باتوں کے علاوہ دنیا سے گویا بے تعلق ہو گئی تھی۔ اور وہ لوگ جو ہر وقت
دیکھتے اور سُنتے تھے۔ قریب تھے۔ وہ اسلام کے شیدائی لوگوں
میں تھے۔ اس سے آپ سمجھیں گے۔ کہ وہ لوگ جنہیں رسولؐ کے دیکھنے
اور سمجھنے کا موقع ملتا رہا۔ وہ صرف سُننے اور نہ سمجھنے والوں سے زیادہ
دلدادہ ہو جاتے تھے۔ وہ جو جانتے تھے۔ اُن سے بڑھ کر محبت
کرنے والا دوسرا نہیں ہوا۔ محمدؐ عربی اور اسلام کو اپنے جاننے اور
سمجھنے والوں پر فخر ہے نہ جاننے والے اور ماننے والوں کی بڑی تعداد
پر ناز نہیں ہے۔ بیشک اسلام چاہتا ہے۔ کہ لوگ اُس کے حلقہ میں
داخل ہوں۔ لیکن یہ اُس کی آخری امید نہیں ہے۔ بلکہ اس کے بعد وہ
چاہتا ہے۔ کہ ایمان میں ترقی کی جائے۔

حضرات! یہ تو جاننے والوں کی داستان تھی۔ یہ اُن کا حال تھا۔
جو سمجھتے تھے۔ یہ اُن کا اعتقاد اور یقین۔ تصدیق اور محبت تھی کہ رسولؐ
کے حکم اور اشارے پر جان دے دینا رسولؐ کی حفاظت اور [illegible]
کے لئے اپنے کو قربان کرنے کے لئے بلا عذر آمادہ کر دینا اور [illegible]
سمجھتے تھے۔ کہ وہ نفسِ عظیم دُنیا کی ہدایت کے لئے زندہ رہے۔ [illegible]
میں خود ہادی کے یقین پر آپ کو متوجہ کرتا ہوں۔ اگر تو میں اپنی [illegible]
کا یقین نہ ہوتا۔ تو تنہا اس خیال سے [illegible] آمادہ ہو [illegible]

کے عقیدہ کو بٹ دینگے۔ کام ایسا نہ تھا۔ جو نیم دلی سے کیا جا سکتا۔ کام ایسا نہ تھا کہ کوئی معمولی دل اور معمولی یقین پر آمادہ ہو جاتا۔ اور کام کے اعلان کے بعد تکلیفیں ایسی نہ تھیں جسے کوئی استقلال سے برداشت کرتا رہتا۔ بلکہ یہ حالتیں بہت کچھ روشنی ڈالتی ہیں۔ کہ انہیں نہ صرف اپنے دعوے پر وثوق بلکہ دعوے کی کامیابی کا اطمینان بھی تھا۔ لیکن یہ وہ مشکل اطمینان تھا۔ جس کے لئے ہر نفس تیار نہیں کیا گیا تھا۔ اگر محمدؐ عربی کو اپنے مشن کا اُس سے زیادہ یقین نہ ہوتا۔ جس قدر لوگوں کو تھا۔ تو یقیناً رسولؐ کا مذہب اوّل تو قائم ہی نہ ہونے پاتا۔ اور اگر کچھ لوگ اتفاق سے اُن کے زمرہ میں داخل بھی ہو گئے ہوتے۔ تو وہ بہت جلد گلو خلاصی کی ترکیبیں سوچتے۔ لوگ دیکھتے تھے۔ کہ رسولؐ ہم سے جس بات کو کہتے ہیں۔ اُسے ہم سے زیادہ خلوص سے ادا کرتے ہیں۔ یہ رسولؐ کا حُسنِ تصنع نہ تھا۔ تصنع کے دن کام دیتی اور وہ ہر دل پر اثر کیسے کرتی۔ سچائی۔ یقین اور نفس عظیم کا اثر تھا۔ کہ سمجھنا چاہنے والا بغیر معترف ہوئے نہیں رہ سکتا تھا۔

مثلاً حضرات! جب رسولؐ عکاظ اور ذوالمجاز کے میلوں میں تنہا کھڑے ہو کر لوگوں کو دین کی طرف بلاتے تھے۔ تو بہت سے لوگ ایسے ہوتے تھے۔ جو ہنستے تھے۔ بعض خاموش کھڑے ہو کر سُنتے بھی تھے۔ اور وہ نہ صرف رسولؐ پر ایمان لاتے تھے۔ بلکہ اور لوگوں کو بھی سمجھا کر حاضر کرتے تھے۔ اور خدا کا رسولؐ اُن سے عہد لیتا تھا۔ کہ تم سوائے خدائے واحد کے کسی کی پرستش نہ کرو گے۔ اُن چیزوں پر تصرف نہ کرو گے۔ جو تمہاری نہیں ہیں۔ چوری۔ زنا۔ بچوں کے قتل اور بدگوئی

سے پرہیز کروگے۔ دوسرے متعلق یہ تھا۔ کہ "ہر امر حق میں عقول کی اعانت اور مصیبت و راحت میں شریک حال رہو گے"۔

رسولؐ فرماتے تھے "اے پسر آدم اعمال خیر کو بجا لا۔ اور فتنہ و فساد چھوڑ دے۔ پھر تو نہایت ہی خوش رفتار اور اوسط راہ میں چلنے والا ہو جائیگا"۔

اُن کی تعلیم تھی۔ کہ "خدا اپنے بندوں سے غیر مشروط عبادت چاہتا ہے"۔ تو انہیں کے مجموعہ تعلیم میں ایک یہ بھی پیش بہا جواہر ہے جس میں ان کا خدا اپنے بندوں کو مخاطب کر کے جو صدا دلاتا ہے۔ کہ "اے فرزند آدم میری اطاعت کر۔ کہ میں تجھے اپنا مثل بنا دوں۔ ایک سمجھدار دیکھنے والا کہتا ہے"۔ "آپ کا طریقہ متوسط اور میانہ روی ہے وہی فرماتا ہے" "خلقت کو راست گفتاری اور درست کرداری اور موعظ حسنہ کی طرف دعوت دیتے تھے"۔ یہی شاگرد کہتا ہے "حسد آپ کے سبب سے دفن ہو گیا۔ عداوتوں اور فتنہ ہائے ضلالت کے شعلے آپ کی وجہ سے منقطع ہو گئے۔ مواخات کے سلسلے قائم ہوئے۔ آپ کا سخن بیان احکام خداوندی ہے۔ اور آپ کی خاموشی ہزار ہزار نصائح آمیز زبان"۔ ہادیان عالم میں غالباً محمد عربی ہی وہ شخص ہے جنہوں نے اپنی بعثت کی غرض تکمیل اخلاق بتائی تھی۔ اگرچہ انبیاء کا شیوہ ہی یہ ہے۔ محمدؐ عربی نے عبادت خدا کے لئے موسیقیت کی مدد نہیں لی۔ عورتوں کی دلفریب آواز کو عبادت کے لئے کھینچنے کا ذریعہ نہیں بنایا۔ کسی عام مقام پر عورتوں اور مردوں کی آزادانہ شرکت عبادت کی فطری کمزوریاں دیکھ کر سخت قیود لگا دیں۔ ان کا مشن جیسا خالص

تھا۔ ان کی توحید جیسی خالص تھی ان کا طریقۂ عبادت بھی ویسا ہی کھرا
تھا۔ جس میں کسی قسم کی دلچسپی نہیں رکھی گئی تھی۔ بلکہ عبادت کا حکم
دیتے تھے عبادت کی ہیبت سے۔ عبادت کی شان سے۔ عبد
اپنے اور معبود کے واسطہ اور مرتبہ کو سمجھ کر عجز اور انکساری سے اپنے
خدا کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔ بہشت ہو یا دوزخ۔ عذاب ہو
یا ثواب۔ یہ الفاظ ہادی کی زبان سے نئے نہ نکلے تھے۔ بلکہ کل مذاہب
میں یہ الفاظ تھے۔ مگر اس کا پاسنگ اثر بھی نہ تھا۔ جو رسول صلعم نے پیدا
کیا تھا۔ کہ عذاب کا نام سنکر خوف سے سخت دل والا آدمی تھرا جاتا
تھا۔ اور ثواب اور جنتوں کا ذکر سنکر نحیف سے نحیف آدمی
جان دے کر دوڑتا تھا۔ اس زمانہ میں بہشت اور دوزخ کا نام سن کر
ہنس دینا منکرین کے نزدیک آسان ہے لیکن وہ اخلاقی اثر پیدا
کرنا جو ان دو لفظوں نے پیدا کیا۔ غالباً ان کل ہنسنے والوں کی غیر
مفید ہنسی سے ممکن نہیں ہے۔ محمد عربی نے رہبانیت کے متعلق
قطعی عدم جواز کا حکم دیا۔ ہاں فطرت جو ضرورتوں سے بھاگ جاتا ہے
وہ بہادر نہیں کہا جاتا۔ وہ جو مصیبتیں برداشت کر کے مخلوقات الٰہی
کے کام آتا ہے۔ قابل تعریف ہے۔ محمد عربی نے انسان کی فطری
قوتوں کا معتدل مصرف بتایا۔ انہیں معطل نہیں کر دیا۔ صانع مطلق نے
ہمیں قوتیں اس لئے عطا نہیں کی ہیں کہ ہم انہیں جائز طریقہ سے
صرف نہ کریں۔ اور انہیں اس طرح چھپائیں۔ جیسے کوئی دشمن کی خوبیوں
کو چھپاتا ہے۔ بلکہ ان کے جائز صرف سے خدا کی نعمتوں سے جہاں
متمتع رہنا ہے۔ وہاں اس کا اظہار و شکر بھی ہے۔ جو انسان کا فرض

نتیجتی ہے +

حضرات! اب میں آپ کو رسولؐ کی بعض تمدنی وغیرہ مثالوں پر متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ خدا کا عبد اور رسولؐ اپنے اُن دشمنوں کے لئے جو قتل پر آمادہ تھے وہ اپنے بعد میں امانت داری کی مثال چھوڑتا ہوا ہجرت فرماتا ہے۔ رسولؐ نے مدینہ میں جو کچھ کیا۔ اُس کا معترف کہ ان لفظوں میں لکھتا ہے کہ "پہلے انصاف اور قانون کچھ نہ تھا۔ رسولؐ نے انصاف اور قانون جاری کیا۔ اور عقد سے عورتوں کا رتبہ بڑھایا"۔ فرائض و حقوق عباد کو خواہ شخصی ہوں یا نوعی۔ اس صداقت سے مقرر فرمایا۔ جس سے ثابت ہو گیا۔ کہ ان کی عقل اکمل عقول تھی اور نہ صرف اپنے زمانہ میں خیر البشرؐ تھے بلکہ سب زمانوں میں" +

اے حضرات فقط اس واقعہ سے آپ اپنے نبی برحق کی عظیم الشان صداقت اور قلوب انسانی پر اُس کے اثر کو سمجھئے۔ کہ یہود کی ایسی سخت قوم جس کے نزدیک اور کوئی قوم توجہ کے قابل ہی نہ تھی۔ اس لئے کہ وہ اپنے ہی کو خدا کی برگزیدہ قوم سمجھتی تھی۔ اُس کے اکثر افراد اپنے قضایا ہمارے نبی برحق کے سامنے تصفیہ کے لئے پیش کرتے تھے جس کے معنی یہ ہیں۔ کہ انہیں اپنے میں کوئی ایسا کھرا عادل نہیں ملتا جس کے فیصلہ پر انہیں بے دینی کا وہم نہ ہوتا اور وہ مطمئن ہوتے۔ اور یہ یاد رکھئے۔ کہ وہ اُس شخص کے پاس آتے تھے جو نہیں اُنکی بدعات تحریف اور خصائل کی ابتری پر ملامت کرتا تھا۔ اور ایک نسیخ تر مذہب کا اعلان فرما رہا تھا۔ اور سفر الٰہی کی صداقت کے علاوہ آپ اس میں حسن معاشرت کی خوشبو بھی پائینگے۔ ورنہ اگر سفیر الٰہی نے اپنے اندر بین خلق اور ملنساری کو ایک بڑا بزو ظاہر نہ فرمایا ہوتا تو یقیناً یہ نہ ہوتا۔ کہ دوسرے جو نسل اور دُوسری قوم اور مذہب کے لوگ آپکا میلان ظاہر کرتے۔ اس میں رسولؐ کے وسیع خلق کی شہرت مخفی سے ہم میں یا

اس میں ہادیِ عالم کی وہ بڑی شان بھی دیکھ رہا ہوں۔ جو بہت کم انسانوں کو نصیب ہوتی ہے۔
یعنی محدود دینی اور ملی حقوق کے علاوہ حقوق انسانی اور فرائض مخلوقات سے چشم پوشی نہ کرنا۔
یقیناً اپنی خدمت شریف میں غیر قوموں اور مذہب والوں کو بار بار خود آکر رسولؐ اس کا اعلان
فرماتے تھے۔ کہ وہ کسی خاص قوم کسی خاص قبیلہ اور کسی خاص گوشہ زمین کے ہادی نہیں
ہیں۔ بلکہ ان کا کلام ہدایت التیام ہر اس شخص کے لئے ہے جس نے اپنے کانوں کو
کسی خاص خیال اور خاص شخص کے لئے رہن نہیں کر دیا ہے۔ رحمۃ للعالمین کی ذات
قدس تھی یا ایک ابر رحمت تھا۔ جو نہیں دیکھتا۔ کہ اس کی نظر خیر اور روح افزا بوندوں سے کوئی خاص
سوکھی ہوئی شاخ اور پتی ہری ہو۔ بلکہ وہ برستا ہے اور باغ کے کل درختوں کیلئے برستا ہے۔
اس مثال کی اخلاقی شان پر لحاظ یہ فرمائیں۔ کہ حضرت ختمی مرتبت اس سے ایک موقع عطا فرماتے
تھے۔ کہ آئندہ ہدایت کا راستہ کھلے۔ اور جب کوئی اپنے کسی ذاتی معاملہ میں ہمارے پاس
آئیگا۔ تو اس سے یہ خیال بھی ہو سکیگا۔ کہ کوئی جو اپنے خدا کا بھیجا ہوا آدمی ہے۔ وہ قرآن عظیم
الشان مسائل کے متعلق کیا کہتا ہے۔ جسے مذہب سے تعلق ہے۔ اور پھر ضمنی باتوں سے
ذات یا فائدہ سے ضمنی باتوں کا جب اثر پڑتا۔ تو وہ قومی اور مذہبی قیام کی مضبوط بنیاد ہوتا
جاتا جیسا ہوا۔ میں سونچتا ہوں۔ کہ اگر مصلحت اور سیاست کے معنی یہ ہیں۔ کہ وہ شخص اور
مکان کی بہتری کی کوئی راہ ہو۔ تو ایک قوم کی جوش عداوت اور توحش کو دفع کرنا اور خالص مذہب
نہیں۔ تو معاشرت وغیرہ پر مجتمع ہونا اور مجتمع کرنا اور اس اثر کو پھیلاتے جانا وہ بات تھی۔ جو ہادی
برحق میں نہایت صفائی اور قوت سے ظاہر ہوتی ہے۔ اے حضرات! فتح مکہ نے بت
پرستی پر قبضہ کیا تھا۔ بنی امیہ کو غیر مسلح نہ کر دیا تھا۔ اور نہ اطراف عالم کی فوجوں سے گھیر لیا
تھا۔ پھر کیا تھا۔ کہ جس نفرت شمع الٰہی کو بار پرورش نہیں لوگ تھے۔ جو وہ بڑھ رہے تھے انسانوں
کا دریا بہ رہا تھا۔ اور ہر شخص چاہتا تھا۔ کہ ہم رسولؐ کے دست اقدس کو مس کرتے ہیں جلدی
کریں۔ یہ ایک لفظ میں ہی دگنداز کہتا ہوں۔ جو معاشرت اور مدنیت کی آراستگی میں خاص

قابلیت رکھتی تھی۔ لوگ تھے جو جانتے تھے۔ کہ کفار قریش نے رسول ؐ کے خلاف کیا تھا جو نہیں کیا۔ اور وہ آج اُسی نفس عظیم کو اپنے دشمنوں پر قابض دیکھکر اُس کے دہن اقدس سے سُن رہے تھے۔ کہ "میں تم سے وہی کہتا ہوں۔ جو یوسف ؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا۔ تمہارے لئے کوئی بُرا نہیں ہے۔ جاؤ تم سب آزاد ہو" اہل دُنیا موقع ڈھونڈھتے رہتے ہیں۔ کہ ہم کب کسی کو شان سے لات مار سکیں۔ دشمن رسول ؐ کے پائے اقدس پر جُھکے ہیں۔ اور وہ اس روح رحم وکرم سے معافی اور امتیاز کی بشارت پاتے ہیں؟ میں نے آج سے پہلے بھی کہا ہے۔ اور اگر موقع ہو۔ تو میں اپنی حیات کے آخر وقت تک بھی کہونگا۔ کہ انبیاء گذشتہ اور مصلحان قوم وملت کے کارنامے پڑھو۔ اور کہیں تم صلح ودستی میں دھویا ہوا خلق بین حقیقی امن کا قائم کرنیوالا۔ فساد کا رفع کرنیوالا یہ فقرہ نہ پاؤ گے۔ کہ "اے اہل کتاب! آؤ ہم اور تم ایک قدر مشترک پر جمع ہو جائیں۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم اور تم سوائے خدائے واحد کے کسی کی عبادت نہ کریں۔ اور نہ کسی کو اُس کا شریک کریں۔ اور ہم اپنے میں سے کسی کو غیر خدا خدا نہ بنالیں" مجھے شرائط کے مدارج سے بحث نہیں ہے۔ اور نہ میں اس آیہ وافی ہدایہ کی اس وقت شرح کرتا ہوں۔ جو تاریخ توحید اور فلسفہ پر نظر رکھنے والوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔ میں اسکی بین الاقوامی شان اور قدر مشترک پر جمع ہونیکے غیبانہ استعانتہ پر توجہ دلا رہا ہوں۔ اے حضرات مذہب اگر بہتر طریقہ سے صرف کیا جائے۔ تو دُنیا اور عقبےٰ کی بہبودی کیلئے اس سے کوئی قوی تر نسخہ عقلاء دہر کے نزدیک دُوسرا نہیں ہے۔ لیکن اگر قومی مذہبی خدمات کی اس طرح پر تجہیز کرنے کے کام میں لایا جائے۔ جس کے جذبات انتقام۔ عداوت۔ علیحدگی اور منافرت میں ترقی ہو۔ تو مذہب کا نام تمام دُنیاوی اور اُخروی گناہوں کا سرچشمہ بنا دیا جاتا ہے۔ یہ قیاس نا ممکن ہے۔ کہ ہادی برحق کو اُس عداوت کا علم نہ ہو۔ جو یہود اور نصاریٰ میں تھی۔ اور نہ اُس جوش عداوت پر نظر نہ تھی۔ جس سے یہ اہل کتاب ایک تعصب توحید کی کوششوں کے

خلاف بُت پرستوں کے موافق ہو کر جنگ کرتے تھے۔ ان امورات پر نظر کر کے بلا خوف
اعتراض کہا جاسکتا ہے۔ کہ اگر یہود و نصاریٰ نے توحید پر مجتمع ہو نیکے استغاثہ پر جمع ہو جاتے
تو بہت سی وہ عداوتیں جو بیشتر تھیں باہم بیکجائی سے دور ہو جاتیں۔ اور آئندہ کی خونریز
عداوتیں مسدود ہو جاتیں ❖

وقت نہیں ہے کہ میں ہمسائیوں کے ساتھ برتاؤ بیماروں کی عیادت۔ غرباکے
ساتھ رحم۔ انھیں غیرت پیدا کرنا صبر و شکر کی عادت ڈالنا۔ تہذیب نفس وغیرہ کی چھوٹی
دینا وغیرہ وغیرہ برتوجہ دلاؤں لیکن اس قدر کہدینا ہوں۔ کہ انسان کو دُنیا میں رہکر جس قدر
فطری ضرورتیں ہوتی ہیں۔ اُن سب کے متعلق آپ صحف الٰہی کے احکام پائینگے۔ جن کی غرض یہ ہے
کہ مخلوقات الٰہی اس طرح بسر کریں کہ وہ خدا کے بنیے معلوم ہوں۴۔ مثلاً سوچئے کہ آج دنیا کو
تمدن و تہذیب میں ترقی کا بڑا دعویٰ ہے۔ انسانیت کی بڑی بڑی ڈینگیں مارتی ہے لیکن دیکھئے
کہ وہ کمزوروں کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ کرتی ہے۔ غریب ہونا اُسکے نزدیک ناقابل معافی گناہ ہے
یا نہیں۔ اور مفتوحوں کے ساتھ کیا کرتی ہے۔ میں کتنی مثال دوں۔ کہ افلاس کا ایسا دل شکن
عزم شکن صفات کش مرض ایسا بنا دیا گیا تھا۔ کہ اُمرا غربا کی طرح رہنا چاہتے تھے۔ اور غربا
اس سے خوف زدہ تھے۔ کہ کہیں ہم امیر ہو کر انکے ایسے بلل خدا فراموش متکبر اور بہیش ہو جائیں
دولت اُن کے پاس آتی تھی۔ اور وہ ٹھوکریں مار کر اُسے دور ہٹا دیتے تھے۔ کیوں؟
اس لئے کہ ہادی نے الفقر فخری فرمادیا تھا۔ غربت اور امارت ایک وضعی صنعت تھی۔
انسان کی حقیقی خوبی نہ تھی۔ مگر یاد رکھئے۔ کہ اسلام نے اُسے سخت ذلت سے دیکھا ہے۔
جس میں اپنے اور اپنے اہل و عیال کے رزق بوتا کر نیکی غیرت نہیں ہے۔ ہمیں تجارت صنعت و
حرفت اور حصول علم وغیرہ کی بہتر سے بہتر تاکید کی گئی ہے۔ اشتخواں فروشی نہیں سکھائی ہے۔
اور نہ ہی نفس غربت یا امارت کو گناہ قرار دیا ہے۔ رسول ؐ کے نفس عظیم اور اُن کے عمل کا اثر تھا کہ
اُنھوں نے دُنیا میں مثالی لوگ چھوڑے۔ ایسے لوگ جو اپنی اخلاقی اور معاشرتی صفات میں

۴ ــ محمول نظر ہاتھ سکے بنی ہوں یا نہ ہوں لیکن اس سے مقید عمل کے بنی تھے ۔

قابل نمونہ ہو سکیں۔ اور دُنیا میں بہتر طریقے سے رہنا اور رہنے دو کا سبق دیں۔ یہ ایک سرچشمہ تھا جو برابر جاری رہا اور جاری رہیگا جب تک اسلام کا نام رہیگا اور اسلام کا خالص اثر لینے والے دُنیا میں رہینگے +

اے حضرات! ممکن تھا کہ میں اسلام اور اُس کے مقدس شارع کے متعلق غیر قوموں کے اقوال درج کرتا یا دکھاتا کہ دُنیا پر اسلام اور مسلمانوں کا احسان ہے۔ لیکن میں اب چند منٹ سے زیادہ آپ کا وقت نہ لُونگا۔ اتنا کہدوں کہ اگر کچھ نہ تھا تاہم اسلام نے عرب میں دختر کشی موقوف کردی۔ باپ کے جرم پر متصرف ہونے کو روک دیا۔ شدکرنا موقوف کرادیا آگ سے جلانا بند کیا۔ اور ایک لکھا ہوا قانون حوالہ کیا۔ یہ اسلام کا اثر تھا اور حصول علم کی تاکید تھی۔ کہ زمانہ قدیم کے علوم کو ہم نے مرنے نہ دیا۔ بلکہ اُن میں نئی رُوح پھونکی۔ جس سے ہم یہ کہ سکتے ہیں۔ کہ زمانہ نے آج جو کچھ کیا ہے۔ ہم سے لیکر کیا ہے۔ اور ہم نے اصول شجاعت سکھایا ہے۔ قومیں جو ہماری باتوں پر اعتراض کرتی تھیں۔ انھیں اختیار کرتی جاتی ہیں۔ اور سب سے اب بشائستہ تمدن اور تہذیب گنتی ہیں +

غیر مسلم قومیں اسلام کی اخوت اور مساوات کی طرح ہیں۔ جس میں رنگ اور پیدائش کے اتفاقات نے کوئی فرق نہیں کیا ہے۔ اس وقت میں صرف سر ہربٹ رسلے کے۔ سی۔ آئی۔ ای کی کتاب پیوپلیس آف انڈیا سے اس قدر نقل کرتا ہوں۔ کہ "اسلام ایک قوت ہے آتش فشاں قسم کی۔ محرور اور جامع جو موافق اتفاقات میں قوم بنا سکتی ہے۔ قبائل کو گلا کر اُن کی اندرونی ساخت کو ایک ہمشکل نمونہ میں ڈھال دیتی ہے جس میں رسومات پیشین کی علامات قائم نہیں رہتی۔ بیرونی تہ غائب ہو جاتی ہے۔ خصوصیاتی معدنیت اس طرح گھل جاتی ہے۔ کہ قابل شناسائی نہیں رہتی۔ اور اس کے بعد ایک رُوس روایاتی اور قانونی جسامت اُس کی جگہ قابض ہوجاتی ہے" +

حاضرین! میں کہہ چکا جو کچھ آج مجھے کہنا تھا۔ اسلام نے ہمیں اُن اُمورات کے

متعلق جن کی ہمیں بحیثیت انسان دنیا میں ضرورت ہوتی ہے بہترین مثالیں دیں۔ اُس اکمل افرادِ عالم کی بدولت جس کی نسبت تعریف میں ہر مبالغہ واقعہ سے کم ہے۔ اس نورانی عقل۔ توفیق الٰہی میں ڈوبے ہوئے دماغ اور عظیم ترین نمونہ قدرت خداوندی کی بلندی ذات کا احساس ہمارے لئے محال ہے۔ اس لئے کہ ہم میں اور اُس میں زمین اور آسمان کا فرق ہے +

خیر تو جناب اقدس نبوی نے جیسی مثالیں دیں۔ وہ انسان کی فطری حیثیت سے عام تھیں۔ ایسی کہ جو جو اشخ مقام اور زمان سے اس طرح متعلق نہ تھیں۔ جو آئندہ کام نہ دے سکیں۔ اور اُس میں ایسی جیسی لچک تھی۔ وہ ہر جزو زماں میں کام دے سکتی ہے۔ جس طرح دیتی رہی۔ اب ان مثالوں کے بعد ہمیں اختیار ہے۔ کہ ہم مشکور ہوں۔ یا کفران کریں +

آخر میں میری دُعا ہے درگاہ صمدیت میں۔ کہ اگر مسئلہ تناسخ کی ایسی مجنونانہ سائیکولوجی کا سا اصول صحیح بھی ہو۔ تو میرا آئندہ جنم اسلام ہی میں فرمائیے۔ اسلام جس کی محبت مجھے اس لئے نہیں ہے۔ کہ اتفاق نے مجھے اُس میں پیدا کیا۔ بلکہ اس لئے کہ اُس کے اُصول۔ اُس کی روایات۔ اُس کے عناصر اور اُس کی معقولیت اس درجہ قرین عقل و فطرت ہے۔ جس سے اسلام کے ایک مثالی مقدس ذات کے لفظوں میں کہنے کو مجبور ہوں۔ کہ "کوئی شرف اسلام سے اعلےٰ نہیں ہے"۔ اُس کی یہ خوبیاں ہیں۔ جو اُسے قائم رکھینگی۔ جب تک ستارے آسمان میں چمکینگے۔ اور جب تک بادِ صبا چلتی رہیگی +

ریاض

اسلام کی بعض حیثیات

جناب صدر۔ علماء و حاضرین!! (دوسرا لیکچر)

میرے لئے یہ ایک موقع ہے۔ کہ مَیں نہ صرف اس پر مسرور ہوں کہ آپ حضرات کی زیارت سے مشرف ہو رہا ہوں۔ بلکہ اس سے بھی کہ اس جلسہ میں مجھے بھی اُس افتخار میں شریک ہونے کا موقع دیا گیا۔ جس کے لئے مَیں وہ لوگ دیکھ رہا ہوں۔ جو مجھ سے بہتر حق رکھتے ہیں +

مجھے یقین ہے۔ کہ میرے وہ احباب جنہیں اس کا علم ہے۔ کہ اس جلسہ کی بنا اور اُس کے مضامین کے استقرار سے مجھے ایک گونہ تعلق تھا خوش ہونگے۔ کہ کچھ وقفہ کے بعد آج پھر مجھے اس جگہ دیکھ رہے ہیں۔ میری موجودگی میں مجھے یقین ہے۔ کہ درمیانی توقف کے متعلق اس جلسہ کی غرض سے میری ناشکستہ وابستگی ظاہر کریگی +

خدا محفوظ رکھے مجھے اس سے کہ مَیں اپنے کسی لفظ۔ کسی انداز یا کسی حرکت سے یہ ظاہر کروں۔ کہ مَیں مسلمانوں کے کسی مجمع کو طلاقت یا خودستائی کا اماج قرار دوں۔ کوئی افتخار جس سے اپنی نمائش مقصود ہو۔ طبیعت کا ایک بے احتیاط اماس ہے۔ جسے حقیقت شناسی اور ہوش کی گرمی فرو کر دیتی ہے۔ یہ عرض کرنے کے بعد بھی مَیں اپنے میں اس وقت ایک حالت فخر محسوس کر رہا ہوں +

کیں اگر آپ چاہیں۔ کہ یہ چیستان کا وقت نہیں ہے۔ اور آپ

مجھ سے کہلوا ئینگے ۔ کہ وقت ہوتا ہے ۔ جن میں ہوش کی باتیں کرنا ہوش ہے۔ لیکن یہ وقت کبھی ہوتا ہے ۔ کہ مدہوشی عین ہوش ہوتی ہے ۔ مثلاً ایسے جذبات جن کا ظاہر کرنا مُضر ہے اُنہیں عقل کے تابع رکھنا ہوش ہے لیکن ایسے جذبات جن کا ظاہر نہ کرنا ہمارے قومی اور دینی حیات کی نفی ہے اُنہیں جوش وخروش سے ظاہر کرنا ہی عین ہوش ہے +

تو میرا افتخار اور جوش ارادہ اور ہوش کا افتخار ہے ۔ اُس وجہ اُس عظیم الشان وجہ اُس دلکش وجہ کے لئے جس نے پُرجوش سامعین اور ذی ہوش مقررین کو جمع کر دیا ہے +

غالباً اب میں کچھ کھُل گیا ۔ لیکن صاف صاف کہنے کے قبل مجھے اجازت دیجئے ۔ کہ میں ایک حالت فرض کروں ۔ اور وہ یہ ہے ۔ کہ کوئی سمجھدار شخص جسے آپکے جلسہ کے اغراض معلوم نہیں ہیں ۔ آپ کے اس مجمع میں داخل ہوتا ہے ۔ وہ کسی سے کچھ پوچھتا نہیں ۔ بلکہ اس جلسہ کی حقیقت سمجھنے کے لئے ایک جگہ بیٹھ جاتا ہے ۔ اُس میں پیشتر سے کوئی غلط خیالی نہیں ہے ۔ وہ کسی رقیب مذہب کا بھیجا ہوا جاسوس نہیں ہے ۔ وہ اس لئے نہیں آیا ہے کہ بھلی باتوں کو بُری صورت میں دیکھے اور دکھائے ۔ بلکہ وہ صورت حال سے سمجھنے اور اثر لینے آیا ہے ۔ اب وہ کیا دیکھتا ہے ۔ کیا سُنتا ہے اور کیا اثر لیتا ہے +

وہ ایک مجمع دیکھتا ہے ۔ جو ادب ۔ اخلاص اور توجہ کی تصویر ہے ۔ کوئی فرد دیگر افراد سے اپنے ان نقوش میں مختلف نہیں ہے ۔ خیال اور جذبات کی ہم آہنگی سے اب کوئی "کسی فرد" کا خیال بھی نہیں کرتا ۔ بلکہ تمام افراد ایک جسم بن گئے ہیں ۔ جن میں ایک احساس ۔ ایک جوش اور ایک ہوش

ہے۔ اُس کی نگاہ مقرر کی طرف جاتی ہے۔ اور وہ دیکھتا ہے۔ کہ مجمع میں کچھ نہ تھا۔ جو مقرر میں نہ ہو۔ مجمع تو مقرر کے خیال۔ خیال کے ظاہر کرنے والے الفاظ اُن کی ترکیب اور اثر سے متلوّن ہو رہا تھا۔ وہ دیکھتا ہے۔ کہ مقرر میں کچھ زیادہ ہے۔ اور وہ موقع ہے۔ جس نے اُس کے چہرہ پر ایک آگ کا معتدل ملمع کیا ہے۔ وہ سُنی سُنائی۔ رٹی رٹائی باتیں نہیں اُگل رہا ہے۔ بلکہ اُس کے الفاظ سے غور ظاہر ہے۔ وہ جو کچھ کہ رہا ہے۔ اُسے خود سمجھ رہا ہے۔ کہ وہ کیا کہ رہا ہے۔ اُس کے الفاظ کی صدائے بازگشت خیالات اور طبیعت میں ایک ہیجان پیدا کر رہی ہے۔ اُس کا لحن اُس عندلیب کی شیریں چیخ ہے جس نے کھلا ہُوا پھول دیکھ لیا ہو۔ اُس طائر کی چہکار ہے۔ جس کی سراسیمگی یہ ہے کہ وہ کس طرح ہر پست و بلند شاخ پر جھومے۔ وہ کچھ نہیں کہتا۔ مگر یہ کہ اپنے الفاظ۔ اپنے خیال اور اُس کے اثر کے ذریعہ سے کسی اصول کی نقابت کر رہا ہے۔ اُس کی کسی حرکت سے یہ ظاہر نہیں ہوتا۔ کہ وہ دین کے آلے کا بیجا مصرف کر رہا ہے۔ اور نہ سامعین کا سمعی استقبال یہ سمجھاتا ہے کہ اُنہوں نے مقرر کے کسی بیجا نمائش کو کامیاب ہونے دیا۔ یہ ہے۔ جو وہ دیکھتا ہے +

اب وہ کیا سُنتا ہے۔ وہ جو کچھ سُنتا ہے۔ اُس کے لئے اکثر حیثیتوں سے حیرت خیز ہے۔ ایک اس لئے۔ کہ اب تک وہ اسلام اور اُس کے مقدس شارع کے متعلق جو کچھ سُنتا رہا۔ اُس کی مثال اُس تصویر کی سی تھی۔ جسے عین صورت سے کوئی نسبت نہ ہو۔ لیکن چونکہ اُس نے اب تک عین صورت کو نہ دیکھا تھا۔ وہ غلط تصویر کو عین صورت سمجھ رہا تھا +

وہ بہت سی حیثیتوں سے قریب بین تھا۔ کچھ اس لئے کہ اُس نے

اس نے اذکار سُنے تھے۔ جو بوسہ چند بیامیزد بدشنامے چند کے مصداق تھے۔ کہیں پوری مکاری سے الفاظ اور انداز میں انصاف ظاہر کیا گیا تھا۔ لیکن زہر بھی چھپا تھا۔ اور اگرچہ وہ کہیں کہیں تعصب بھی سمجھ کر یقین نہ کرتا ہوگا لیکن انصاف اور راستی کا زبردست دھوکا لاعلمی کی وجہ سے غلط خیالیوں کا بیج بو گیا ہوگا۔ کہیں گول گول لفظی فریب میں الزامات سُنتے تھے۔ اور شرح و تفصیل کے نہ ہونے کی وجہ سے غلطی نہ سمجھا تھا۔ اور اس لئے اُسے کیا چارہ تھا کہ اُسی حیثیت سے اُسے قبول نہ کرتا جس حیثیت سے کوئی فقرہ اُس کے کان میں پڑ گیا تھا۔ اُس نے ایسی مبہم باتیں سُنی تھیں۔ کہ کیونکر نبیؐ عربی میں رئیس روحانی اور دُنیاوی بننے کا شوق اور حوصلہ ہوا۔ اور اس سے وہ سمجھا تھا کہ پھر اس میں وقعت دینے کی کونسی بات ہے۔ کہیں اُس نے اسلام کی عظیم الشان اور عدیم المثال قربانیوں کو خفیف کیا ہُوا دیکھا تھا۔ اور سمجھتا تھا۔ کہ پھر اس میں تعریف کا کونسا موقع ہے۔ کہیں اُس نے اُن لوگوں اور اُن کی ایذا رسانیوں کو جو رسولؐ کی تحقیر میں پیش پیش تھیں۔ حُب دینی اور حب قومی کے بھیس میں دیکھا تھا۔ اور دشمنوں میں کوئی شکایت کی بات نہ پائی تھی۔ کبھی مہاجرین حبش کے عظیم المرتبت اخلاص اور ایثار کو دبی زبان سے سُنا تھا۔ اور اُس موقع سے نفس بے توجہ گذر گیا تھا۔ کہیں بتایا گیا۔ کہ عرب کے مسیحی چُوک گئے۔ ورنہ مسیحیت کا ایک بڑا مشنری اور بڑھ جاتا۔ کہیں اُسے بتایا گیا تھا۔ کہ نبی عربی خود تردد اور شک میں تھے۔ پھر دُوسرا اُن کی نبوت کا کیوں اعتقاد کرنے لگا۔ کہیں حلم کے بھیس میں ظاہر کیا گیا تھا کہ نبی عربی نے تو توریت اور انجیل سے سبق لیا تھا۔ یا صابئین اور مجوس سے رسومات کی نقل کی تھی۔ اُنہوں نے خود کیا ہی کیا تھا۔ کہیں وہ سُنتا رہا تھا کہ نبیؐ عربی نے

لوگوں کو لاپروا کرنے کے لئے قضاء قدر کا سبق دے رکھا تھا جس سے لوگ یہ خیال کرتے تھے۔ کہ جب موت کا وقت مقرر ہے۔ تو بستر خواب اور میدان جنگ دونو جگہ مرنا برحق ہے۔ تو میدان جنگ کی پُرافتخار موت کیوں نہ اختیار کی جائے۔ کہیں وہ خوبیاں جو اسلام کے سایہ اور تربیت میں پیدا ہوئی تھیں۔ انفرادی مزاج کے نشوونما سے متعلق کی گئی تھیں۔ اور کہیں مذہب اقتصاد اور سیاست کا خمیر کر کے مسلمانوں کو اپنی غفلت اور بداعمالی کا نہیں بلکہ اسلام کو مسلمانوں کے زوال کا ذمہ وار بنایا تھا۔ کہیں اسلام کو علم و ترقی کا مخالف بنا رکھا تھا۔ اور عورتوں کو روح سے معرا سمجھا تھا۔ غرضکہ جب وہ فریب کی اس فہرست کو شیطان کی آنت سے زیادہ طویل دیکھ رہا تھا۔ تو کم سے کم یہ فیصلہ کرتا ہوگا۔ کہ اگر سب نہیں۔ تو کچھ تو صحیح ہوگا +

اب اُس کی نظر اُس کی سماعت کو مدد دے رہی ہے۔ اور وہ دیکھ رہا ہے۔ کہ ہم اُس کے دیکھنے والوں کی سمجھی ہوئی صورت دیکھ رہے ہیں۔ یا وہ اُس تصویر کے نقوش کا ذکر اُن سے سُن رہا ہے۔ جنہیں یہ کہنے کا حق ہے۔ کہ ہماری تصویر کی حقیقت ہم سے سمجھو۔ اور اُس کے خال و خط کو ہم جانتے ہیں +

دُوسری حیرت اُسے یہ ہے۔ کہ وہ سمجھا ہوگا۔ کہ ہم کچھ سُنینگے۔ جو انسان کے سُننے سے بالاتر ہو یا نہ ہو۔ لیکن کچھ ہوگا۔ جو ضرور نہیں ہے۔ کہ انسان کی طبعی قبولیت بھی حاصل کرے۔ اُس کے ذہن میں زمانہ قدیم کی غیر سینہ بہ سینہ تاریخ کہانیاں تھیں۔ کہانیاں جیسے مصری۔ رومی۔ ہندوستانی۔ ایرانی وغیرہ مائی تھولوجی اس افراط اور دلچسپی سے پیش کرتی ہے۔ اسے امید تھی۔ کہ ہم عجیب الہیئت اور عجیب الخلقت خداؤں کا ذکر سُنینگے۔ جن کے حیرت انگیز

فرائض اور بعض اوقات مضحک اعمال انسان کے لئے نمونہ اور ہدایت ہوں یا نہ ہوں۔ لیکن کسی طرح اوقات گذاری کے لئے ایک کہانی ہے۔ جس پر مذہبی وقعت کا ایک اڑاہوا غازہ ہے +

تیسرے وہ سونچ رہا تھا۔ کہ ہم بعض معتقدات کی ہوا کھائینگے۔ جو بعض گروہ انسان کے کسی طرح حوالہ تو ہو گئے۔ اور وہ کسی حیثیت سے اُن کا مفروضہ ہے۔ لیکن جس پر کوئی شعاع اُس بہترین عنایت ایزدی کی نہیں پڑی ہے جسے عقل کہتے ہیں۔ معتقدات جو عمل کی بہتری کے لئے کوئی ذریعہ نہیں ہو سکتے اس لئے گروہ انسانی خیالات کی تسکین میں اس طرح ساری نہیں ہو سکتے۔ جو اعمال میں اپنی جھلک دکھا سکیں۔ اور دکھا تو اس وقت سکتے۔ جبکہ وہ انسان کی موجودہ قابلیتوں کے علم اور عمل پر مبنی ہوتے۔ یا جس کی غرض انسان کے خیال اور عمل کی حقیقی صفائی ہو سکتی +

چوتھی حیثیت سے وہ اُن مفتریات کو یہاں نہ سنیگا۔ جسے کذب کی انسانی صورتوں نے گڑھا ہے۔ مثلاً ایک مرتبہ نبیؐ عربی نے کسی شخص سے کہا۔ کہ جاؤ۔ فلاں پہاڑ سے کہو۔ کہ میرے قریب آئے۔ اور جب وہ شخص پیغام دے کر آیا۔ اور پہاڑ اپنی جگہ پر رہا۔ تو نبیؐ عربی نے بکمال جسارت سے کہا۔ کہ اچھا اگر وہ نہیں آتا۔ تو میں خود اُس کے پاس جاتا ہوں۔ یا یہ کہ وحی کے تمسخر کے لئے کہا گیا ہے۔ کہ نبیؐ عربی نے ایک کبوتر پالا تھا۔ اور کان میں مٹر کا دانہ رکھے رہتے تھے۔ اور جب کبوتر بھوکا ہو کر کان سے مٹر نکال لیتا تھا۔ تو کہتے تھے۔ کہ جبرئیل وحی لائے تھے۔ اور سچائی نے اپنا انتقام لے لیا۔ کہ اس روایت کے موجد سے سند پوچھی گئی۔ تو وہ کوئی سند نہ لا سکا۔ بجز اپنی چہرہ کی خفت کے۔ اس کے علاوہ اور ایسی روایتیں سُنی تھیں۔ جو علم سینہ کہی جائیں

اور جن کی غرض یہ ہے۔ کہ وہ نفرت اور علیحدگی پیدا کرتی رہیں۔ اور کبھی لوگوں میں حقیقت امر کے سمجھنے کا شوق پیدا نہ ہو +

پانچویں حیثیت سے وہ اسے مذہبی جلسہ سمجھ کر امید کرتا ہوگا۔ کہ تو پھر یہاں بھی یہ منظر دکھائی دیگا۔ کہ انسان کا بھلا چنگا ثقیل جسم تال اور سُر سے جھولتا ہے۔ یا نسوانی شرکت اور اُن کی شیریں الحانی سے انسانی جذبات پر قبضہ کیا جائے۔ لیکن وہ دیکھتا ہے۔ کہ نہ یہاں مندروں اور گرجاؤں کا گھنٹہ بج رہا ہے۔ نہ بوبل کا نرسنگھا دکھائی دیتا ہے۔ اور ہارمونیم یا پیانو تو یہاں کے لئے پیدا ہی نہیں ہُوا ہے۔ وہ سُنتا ہے۔ کہ ہم معنی وار صدا بلند کرتے ہیں۔ اور اللہ کی بڑائی اور یکتائی پکارتے ہیں +

یہاں وہ اپنے کو اُس حالت میں پاتا ہے۔ جس کے لئے وہ تیار نہ تھا۔ وہ دیکھتا ہے۔ کہ وہ کچھ نہیں سُنتا۔ مگر یہ کہ انسانی خاصہ بات کے سُننے کے ساتھ یہ تصفیہ کرتا ہے۔ کہ یہ نہ صرف ایک گذری ہوئی حقیقت ہے۔ بلکہ ایک حقیقت ہے۔ جس پر انسانی مزاج عمل کر سکتا ہے۔ وہ اپنے سامنے فطرت کا ورق کھلا ہُوا دیکھتا ہے۔ وہ سُنتا ہے۔ کہ ایک انسان کیا کر سکتا ہے۔ اور خدا کی توفیق نے کس حیثیت کا نمونہ پیش کیا ہے۔ جس سے انسان اپنی حیات میں سبق لے۔ دوسرے لفظوں میں وہ جو کچھ سُنتا ہے۔ وہ انسان کا تجربہ تاریخی اور انسان کے کمال النفس کی تاریخ ہے۔ وہ سُنتا ہے۔ کہ انسان کی بہبودی اور درستی معاش و معاد کے لئے خدا نے انسان ہی کو رہنما مقرر کیا۔ ایسے ذریعہ سے نہیں۔ کہ اُس کے آگے آگے تاریکی کی لاٹ یا نور کا ستون چلتا رہے۔ ایسے دعوے ہے سے نہیں۔ کہ وہ انسان کبھی ہے۔ خدا کبھی ہے۔ اور انسان اور خدا دونو

ایسے ہادیوں کے ذریعے سے نہیں۔ جن کی ولدیت اور سکونت کے لئے خاص خاص موقع اتفاقات اور مقام تجویز کئے جائیں۔ جیسے مصری۔ چینی اور ہندوستانی وغیرہ روایات کثرت سے ملتی ہیں۔ اس غرض سے کہ غیر معمولی حالتیں انسان کے تمیز یا توہم کے لحاظ سے اثر ڈالنے میں معین ہوں۔ بلکہ گوشت اور خون کے انسان سے۔ اُس کے فطری معجزہ سے۔ معجزہ جیسے نفس کی عظمت۔ خصائل کی بلندی۔ عقل کی وسعت۔ مخلوقات کے ساتھ رحم و انصاف۔ اخوت۔ مساوات۔ دیانت۔ امانت۔ عہد کی پابندی اور عظمت خداوندی کے مقابلہ میں عجز و انکسار اور تسلیم و رضا سے تعلق ہے۔

اُسے عجب ہوتا ہے۔ کہ ایسا مخلوق جسنے دُنیا کی قوموں اور نئے جمائے بڑے۔ صدیوں کے جڑ پکڑے ہُوئے۔ شاہی مذاہب میں انقلاب عظیم پیدا کردیا۔ اُس نے اپنے لئے کوئی مُبہم القاب اور خطابات پسند نہیں کئے۔ جیسے اُس نے دیگر ادیان میں سُنے تھے۔ بلکہ وہ اپنے کو "عبد" اور "رسول" ہی کہتا ہے۔ وہ سُنتا ہے۔ کہ جس کے دربار کے دیکھنے والے قیصرو کسرےٰ درباروں سے زیادہ مرعوب ہوتے تھے۔ وہ نہ کسی مرصع تخت پر بیٹھا ہے۔ نہ کوئی نادر زمانہ محل اور اُس کی آرائشیں ہیں۔ نہ زرق برق وردیاں ہیں۔ اُس کے ادنےٰ اشارہ پر لوگ جان دینا اپنی حیات کا فخر سمجھتے ہیں۔ جس کے دربار میں مغرور ملوک عرب ادب سے بیٹھے ہیں۔ وہ چٹائی پر بیٹھا ہے۔ مسجد میں بیٹھا ہے۔ ایسی مسجد جس کی چھت بھی درست نہیں ہے۔ وہ اسے گوارا نہیں فرماتا کہ کوئی اسے شہنشاہ کہے۔ وہ شکم سیر ہو کر نہیں کھاتا۔ وہ بھوکوں سے لاپروا نہیں ہوجاتا۔ غربا کو نفرت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ وہ اپنے تمام افعال و احکام سے یہی ظاہر کرتا ہے۔ کہ وہ

پست کو بلند کرنے آیا ہے۔ وہ فقیروں کا پیٹ پہلے بھرتا ہے۔ اور پھر اپنی بھوک وہ رکھتا ہے یا بھوکا رہ جاتا ہے۔ خود ہی نہیں۔ بلکہ مع اپنے بچوں کے۔ وہ کسی مالدار رئیس کو کسی غریب کے پاس بیٹھنے سے متنفر دیکھ کر نصیحت کرتا ہے۔ کہ اُس کی غربت تجھ میں سرایت نہیں کر گئی۔ "الفقر فخری" فرماتا ہے۔ اور ثبوت میں اپنی امارت کو مخلوقات الٰہی پر قربان کر دیتا ہے۔ وہ ہزارہا ہزار بھیڑ۔ بکریاں۔ اُونٹ۔ اسلحہ اور دیگر آلات تقسیم کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کو کبھی بھلا نہیں کرتا کہ اُس کے پاس ادنے ترین مسلمان کی اتنی معیشت بھی ہے یا نہیں۔ وہ دیکھتا ہے۔ کہ اس محسن بنی آدم نے خود سے فقر کو گوارا کیا۔ اور باوجود کثیر مواقع کے امیر نہیں بنا۔ بلکہ امارت کو اپنے لئے ذلت سے دیکھا۔

اب وہ سوچتا ہے۔ کہ کیا اس مذہب میں بغیر جنگلوں اور پہاڑوں میں بسر کئے ہوئے مغفرت اور اتقائے نفس حاصل ہو جاتا ہے۔ کیا اس مذہب میں معابد کی کنواریاں نہیں ہوتیں۔ کیا اس میں کسی انسان کے لئے وقعت نہیں ہے۔ جو بن بیاہا رہ جائے بغیر فطری وجوہات کے۔ اور وہ سوچتا ہے۔ کہ جنگلوں اور پہاڑوں میں بھاگ جانے سے اُس کی قابلیت گناہ شہر میں چھوٹ نہیں جاتی۔ اور نہ وہ اپنی تخئیل کو مقفل کر کے جاتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ وہ اپنی خواہشوں کے نفاذ کے لئے اسباب نہیں پاتا۔ اور وہ طے کرتا ہے۔ کہ اپنا ہاتھ کاٹ ڈالنے کے بعد قتل کرنے کی قابلیت نہ پانا خیرہا گناہ سے نہ باز رکھتا ہے اور نہ مجبوری سے گناہ نہ کرنا اُسے عصمت کا کوئی درجہ عطا کرتا ہے۔ بلکہ وہ امتحان سے اپنی کمزوری اور قابلیت خطا کا ثبوت دیتا ہے۔ اُس کے سامنے سوکھے ہوئے ہاتھ پاؤں بکھر جاتے ہیں۔

اور وہ غور کرتا ہے۔ کہ اگر یہ اس طریقے سے خشک نہ کر دئے جاتے۔ تو یہ اپنے اور مخلوقات کے کام آ سکتے۔ وہ سوچتا ہے۔ کہ کیا کسی صانع اور خالق کا ایسا حکم ہو سکتا ہے۔ کہ ایک مرتبہ وہ ایک چیز بنائے۔ اور پھر باوجود اس کے کہ اُس کی بقا سے نفع ظاہر ہے۔ اُس کے ضائع و برباد کر دینے کا بھی حکم دے۔ جس سے وہ انسان نہ صرف اپنے اوپر۔ بلکہ دوسرے انسانوں پر بھی بار ہو جائے۔ اور اس طرح بجائے اس کے کہ وہ مخلوقات کے نفع کے لئے ہو۔ ایک جزو معطل اور مضر ہو جائے۔

اُس کے سامنے گوتم بُدھ کی برسوں کی شاق ریاضت پھر جاتی ہے۔ اور خود اُس کا تصفیہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایسی ریاضتیں انسان کو اپنی جگہ سے بال برابر بھی بلند نہیں کرتیں۔ اور دُنیا کا وہ مشہور راہب ریاضتوں کو ترک کر کے کسی عورت کے کفن کو اپنا لباس بناتا ہے۔ اور پھر کھاتا ہُوا دکھائی دیتا ہے۔

اُس کے سامنے اُن قوموں کے کنوارے اور کنواریوں کے حالات آتے ہیں۔ جہاں ایسے لوگوں کو وقعت دی گئی تھی۔ اور جو قومیں بہ تنگ آ کے اپنے اس فرض سے سبکدوش نہیں ہو سکیں۔ اب تجربہ کے سامنے یہ مثل آتی ہے۔ کہ ہوں تو کنوارا یا کنواری۔ لیکن بیاہوں سے اچھا یا اچھی ہوں۔ اور وہ سوچتا ہے۔ کہ ظاہر مثالوں کے باوجود آیا یہ سوچنا ممکن ہے یا نہیں۔ کہ انسان قوانین الٰہی سے لڑ سکتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے۔ کہ اگر اس جنگ میں شکست ہوئی تو بدترین حدود شکن سے بدتر حالت ہوتی ہے۔ اور اگر فتحیاب ہوئے۔ تو اُس کا نتیجہ جماعت انسانی کی بربادی ہے۔ آبادیاں کم ہو جاتی ہیں۔ اور قومی فنا کا ایک بڑا کارخانہ جاری ہو جاتا ہے۔ وہ اقتصادی نتائج پر غور کرتا ہے۔ جس کی

صحیح حالت قومی جماعت کا دُوسرا زبردست عُنصر ہے۔ اور وہ دیکھتا ہے۔ کہ اگر مذہبی کنوارے اور کنواریوں کو معطل چھوڑ دیا جائے۔ تو قوم کے صحیح القویٰ اور صحیح الحواس لوگوں کی ایک جماعت حصول معاش اور ترقی جماعت کے کاموں سے دست بردار ہو کر قوم کے کمانے والوں پر بار ہو جاتی ہے۔ اور اُس رزق کو کھا جاتی ہے۔ جو قوم کے ضعفا۔ مرضا اور مجبوروں پر بہتر طریقہ سے صرف ہو سکتا تھا۔ اور یہ حالت قومی افلاس پر منتہی ہوتی ہے +

اب وہ سوچتا ہے۔ کہ پھر جب انسان کی ترقی کے لئے فطری وسائل کا کام میں لانا ہی اسلام کی حقیقی غرض ہے۔ اور یہ کہ اسلام میں انسان کو اپنے عمل کی خوبی اور بُرائی سے سزا و جزا بھگتنی پڑیگی۔ نہ کہ وہ اپنے گناہ کا پشتارہ دوسرے کے حوالہ کر کے سبکدوش ہو جائیگا۔ تو وہ سوچتا ہے۔ کہ کیا اسلام میں کبھی کرم اور تناسخ ہے۔ اور کیا پھر اس کی کبھی ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔ کہ وہ ایک خدا کو بھی اپنے اُوپر لازم کرے؟ ابھی سوچ ہی رہا تھا۔ کہ وہ مقرر کو سوال کرتے سُنتا ہے۔ کہ اگر تناسخ صحیح ہے۔ تو ہمیں دوبارہ پیدا ہونے کا کیا فائدہ ہے۔ جب ہم اپنے گذشتہ جنم کی غلطیوں سے واقف نہیں ہیں۔ اس لئے ہمارا دُوسرا جنم اگر ہمیں بہ حیثیت ایک نئے انسان کے عمل کرنا ہے کچھ مفید نہیں ہے۔ دُوسرا سوال ہوتا ہے۔ کہ اس کا کیا ثبوت ہے۔ کہ ہم وہی ہیں جو کبھی پیدا ہوئے تھے۔ اور وہ سوچتا ہے۔ کہ اعتقاد تناسخ نے غلطی کی۔ کہ پہلے جنم کی وفات اور پیدائش۔ ولدیت اور سکونت کا رجسٹر نہیں رکھا۔ اور حلیہ بھی فرو گذاشت کیا۔ اور گواہوں کے نام بھی نہ لکھے۔ تیسرا سوال ہوتا ہے۔ کہ کبھی وہ آدمی جو اپنے کرم کی سزا میں جانور پیدا کیا گیا تھا۔ یہ تو بتاؤ۔ کہ وہ جانوروں کے جسم لیکن انسانی نفس کے ساتھ پیدا ہُوا تھا۔ یا وہ ہر حیثیت سے

جانور ہی تھا۔ اُس میں اخلاقی مفہوم کے بھلے اور بُرے کا اگر تمیز نہ تھا۔ تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جانور ہی رہتا ہے۔ اور وہ کہتا ہے۔ کہ یہ بھی بڑھی کھیر ہے۔ ابھی وہ بغلیں جھانک رہا تھا۔ کہ ایک اور خوش مزہ سوال اُس پر برس پڑتا ہے۔ کہ بھئی یہ تو ہمیں تجربہ ہے۔ کہ دُنیا کی مہذب سلطنتیں مردم شماری کی رپورٹ رکھتی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کسی ملک میں کس قدر انسان بڑھے یا گھٹے۔ لیکن تناسخ کے اعتقاد سے تم اس کا بھی دعوے کرتے ہو۔ کہ تم نے جانور شماری بھی کی ہے۔ بھلا بتاؤ تو کہ کتنے جانور آدمی بنے۔ اور علیٰ ہذا القیاس کتنے آدمی جانور بنے۔ اور اس آدمی اور جانور کے جسم میں آدمی اور جانور کی رُوح کے منتقل ہوتے رہنے کا کیا ثبوت ہے؟ اور کس مرغی یا خچر کے کھیت میں شمار کی ترقی سے کون سا گاؤں خالی ہوتا جاتا ہے۔ اور وہ کہتا ہے۔ کہ تناسخ بھی مسئلہ مغفرت کا حل نہیں ہے۔ خدا کے متعلق سوال سے اُس پر وہ غلطی ظاہر ہوتی ہے۔ جو گوتم بدھ سے ہوئی۔ جس میں اخلاق تھا بغیر خدا کے۔ جس کا ظاہر نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ بودھیت مرکز نہ پاکر ہولے سے ٹکراتی رہی۔ اور نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ خود رشی گوتم کے بُت کی پرستش ہونے لگی۔ اور دیگر قوموں کے بُت قرض لئے گئے۔ خالی خولی نصیحتیں پاش پاش ہوگئیں۔ اور آج ہندوستان میں جہاں کبھی بودھیت ہر طرف شائع تھی۔ اس مذہب کے مقلدین کا شمار اُنگلیوں پر ہوتا ہے۔ کشمیر جو کبھی بودھیت کا دارالسلطنت تھا۔ آج اُس کے تمام صوبے کی پچاس فیصدی آبادی اسلام کی حلقہ بگوش ہے۔ یہی حال جنوبی ہند کے جزائر کا ہے۔ اور چین اور جاپان جو آخری جائے پناہ ہے۔ وہاں بھی خالص بودھیت بہت کم باقی ہے۔ اور صرف چین میں تخمیناً چار کروڑ خدا کے بندے لاالٰہ الااللہ اور محمد الرسول کہتے ہیں +

اُس کے سامنے توحید کے اثر کے متعلق مسلمانوں کی صورت اقدس پھر جاتی ہے۔ کعبہ میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ عجز ہے۔ خضوع و خشوع ہے۔ دُعائیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہر بُن مو خداوند تعالےٰ کی تقدیس اور تمجید کر رہا ہے۔ اور یہ دیکھ کر قسم کھاتا ہُوا ایک دشمن کہ اُٹھتا ہے۔ کہ محمدؐ بڑے پیار۔ عجز۔ اور خوش الحانی سے اپنے خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ جنگ خندق کا ایسا سخت وقت ہے۔ لیکن رسول عمامہ کو دست اقدس پر رکھے ہیں۔ آنکھیں آسمان کی طرف اُٹھی ہیں۔ فرما رہے ہیں کہ بار الہا اگر تیری یہ تھوڑی سی خالص جماعت فنا ہو گئی۔ تو پھر تیرا نام لینے والا دُنیا میں باقی نہ رہیگا۔ تلواروں کی جھنکار ہو۔ زخمی ہوں یا بیماری کی حالت ہو۔ کبھی اس سے سیر نہیں ہوتے۔ کہ اپنے معبود کی عبادت سے اپنی روح کو تسکین دے لیں۔ یہی ایک تسکین ہی تھی!

وہ مسلمانوں کی رسومات دینی پر نگاہ ڈالتا ہے۔ اور دیکھتا ہے۔ کہ توحید ہی وہ محور ہے جس پر اسلام گھوم رہا ہے کوئی عبادت شروع نہیں ہوتی۔ مگر یہ کہ خدائے بزرگ و برتر کا نام قفل کھولتا ہے۔ خدا جو رحمان ہے رحیم ہے۔ لیس بظلام للعبید ہے۔ جو اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ اور وہ سوچتا ہے۔ کہ ہم تو مسلمانوں کے خدا کو ایک جابر بادشاہ سُنتے تھے۔ جو اپنے بندوں سے معاملت میں کسی انصاف کا پابند نہیں ہے۔ اور اب یہاں تو وہ ایسا سُنا جا رہا ہے۔ جس نے اپنے بندوں کو اپنا آماج غضب نہیں بنایا۔ جس میں بے گناہ کیلئے چارہ نہ ہو۔ اور جب وہ گناہ کرے۔ تو پھر مستحق عذاب بھی ٹھہرے۔ اور نہ وہ ایسا ہے۔ جس کا جوش انتقام اُس وقت تک فرو نہ ہو۔ جب تک وہ ایک کے گناہ کا عوض کئی پشتوں سے وصول نہ کرے۔

اور اب وہ کتاب ہے۔ کہ مسلمان اپنے صانع۔ خالق اور منعم حقیقی کی احسان شناس قوم ہے۔ اور اُس نے اخلاقی لطیف حس کو ایک مضبوط مرکز میں باندھا ہے +

اور وہ سونچتا ہے۔ کہ کیا مسلمانوں کے خدا کا بھی بڑھوتی میں خدمت کیلئے کوئی جورو بچہ ہے یا نہیں۔ کہ اگر ضعیفی کی وجہ سے اُس کی مخلوقات اُسے پنشن دیدیں۔ تو ایک جوان خدا ہر وقت اس سلسلہ سے تیار رہے۔ اور وہ خدا پھر پیری کی وجہ سے اپنے اختیارات اپنے بیٹے کو تفویض کر دے۔ اور ایک زمانہ تک خدائی کرنے کے بعد کچھ دنوں تثلیث کا مزہ بھی چکھ لے؟ اور وہ سُنتا ہے کہ مسلمانوں کے ایک خدا کے علاوہ کوئی خدا ہی نہیں ہے۔ وہ پاک ہے۔ جو نہ کسی سے پیدا ہُوا۔ اور نہ جس سے کوئی پیدا ہُوا۔ نہ اُس کا کوئی شریک اور ہمسر ہے۔ وہ ہر ابتدا کے پہلے اور ہر انتہا کے آخر میں ہے۔ وہ پوچھتا ہے۔ کہ کیا مسلمانوں کا خدا بھی کوئی قومی خدا ہے۔ جس نے خواہ مخواہ اپنی کوئی قوم چُن لی ہو۔ جس کے لئے اُس نے دودھ اور شہد کی نہریں اور کسی حیرت انگیز اعتقاد پر مغفرت موقوف کر دی ہو۔ اور دُوسروں کو اس سے لئے خارج کر دیا ہو۔ کہ یا تو وہ کسی خاص نسل سے ہیں۔ اور یا وہ عقل جو اُس نے اُنہیں عطا کی تھی۔ یہ فیصلہ کرتی ہے۔ کہ ایسا کوئی اعتقاد ماننے کے قابل نہیں ہے۔ اور کیا وہ ایسا ہے جیسے ایک وقت اور اُس کے بعد اُسی سلسلہ سے ایک وسیلہ مغفرت قائم کرنا تو یاد رہا۔ لیکن اُس کے پہلے اپنی تمام مخلوقات کو اگرچہ وہ کیسے ہی نیک بندے ہوں۔ جہنم کا کندہ بنا دینے کے لئے چھوڑ دیا۔ لیکن وہ اسلام میں عام مخلوقات کو مخاطب دیکھتا ہے۔ کہ یاایّھا النّاسُ اعبدوا ربّکُمُ الّذی خلقکم والذین من قبلکم لعلکم تتقون (اے لوگو! اپنے خدا کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور تمہارے اگلوں کو پیدا کیا۔ شاید کہ تم گناہوں سے پرہیز کرو)۔

وہ کسی خاص گروہ کو نہیں بلکہ کئی کو مخاطب فرماتا ہے۔ کہ" ان الذین امنوا والذین هادوا والنصارٰی والصابئین من امن باللہ والیوم الاخر وعمل صالحاً فلهم اجرهم عند ربهم ولا خوف علیهم ولا هم یحزنون" (وہ لوگ کہ جو ایمان لائے اور وہ جو یہودی۔ نصرانی یا صابئین ہیں۔ ان میں سے جو شخص خدا اور قیامت پر ایمان لائے۔ اور کار ہائے شائستہ کرے۔ اُس کے لئے اُس کی مزدوری ہے۔ اُن پر کوئی خوف نہیں ہے۔ اور نہ وہ غمگین ہونگے)۔ وہ صاف حکم پاتا ہے۔ کہ" یا ایها الذین امنوا کونوا قوامین بالقسط" (اے ایمان والو! انصاف کے ساتھ قائم ہو)۔ سُنتا ہے۔ کہ" وان حکمت فاحکم بینهم بالقسط ان اللہ یحب المقسطین" (اور اگر تو اہل کتاب کے درمیان حکم کرے تو انصاف کے ساتھ حکم کر۔ حقیقتاً اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے)۔ اس کے علاوہ متعدد مقامات پر اہل کتاب کو کفار کا شریک ہونے اپنے ہدایت ناموں سے اعراض کرنے۔ کمی زیادتی کرنے۔ دین فروشی۔ شراب اور جوئے کے نقصانات پر مطلع فرماتا ہے۔ اور ایمان والوں کو عدل واحسان کا حکم فرماتا ہے۔ اور اگر بعض مسلمانوں کو خیر امت کا خطاب بھی عنایت فرماتا ہے۔ تو اس لئے کہ وہ امر معروف کا حکم اور منکر سے منع کرتے ہیں۔ اور خدا پر ایمان لائے ہیں +

وہ سوچتا ہے۔ کہ کیا مسلمانوں کے پاس اُن کی ہدایت کیلئے کوئی کتاب بھی ہے یا نہیں۔ اور وہ سُنتا ہے۔ کہ ہاں مسلمانوں کی مذہبی کتاب جو اُنکی رہنمائی کرتی ہے۔ ایسی نہیں ہے۔ جس کا مصنف معلوم نہ ہو۔ یا کوئی ایسی کتاب ہو جس کے لئے تاریخ شہادت نہ دیتی ہو۔ کہ وہ کب اور کس پر نازل ہوئی۔ نہ اُس پر یہ اعتراض ہے۔ کہ اُس نے واقعات عادی کے لئے الہام کی مدعی

یا ایک زمانہ کی نظیر خیز پاشانی کے بعد اُس کی تدوین ہوئی۔ بلکہ ایک کتاب ہے جس پر عام مسلمانوں کو عام اس سے کہ وہ کسی فرقہ کے کیوں نہ ہوں۔ اس درجہ اعتبار اور احترام ہے۔ جیسا غیر قوموں میں اپنی کتب مقدسہ کے متعلق کم دکھائی دیتا ہے +

وہ سوچتا ہے۔ کہ مسلمانوں کے خدا کے لئے کوئی عبادت گاہ بھی مخصوص ہوگی۔ لیکن وہ اسلام کے عالمگیر خدا کی طرح اُس کی عبادت کو بھی عالمگیر دیکھتا ہے کوئی جگہ ہو۔ لیکن اُس کی عبادت کے لئے موزون ہے۔" وللہ المشرق والمغرب فاینما تولوا فثم وجہ اللہ" (اور مشرق و مغرب تو خدا کے لئے ہے۔ پس جس طرف تم متوجہ ہو۔ پس وہ جہت ہے عبادت خدا کے واسطے)۔ وہ یہ بھی سُنتا ہے۔ کہ پھر بھی مرکزیت کے لئے ایک سمت ہے۔ اور وہ کعبہ ہے۔

جہاں اقصائے عالم کے مسلمان بلا استثنائے رنگ۔ رعب۔ نسل انسانی۔ آب وہوا۔ زبان۔ مراسم جمع ہوتے ہیں۔ ایک عالم میں ایک دُھن میں آرائشوں سے دُور۔ کفنیاں پہنے ہوئے۔ گویا وہ عالم عمل سے عالم جزا میں جا کھڑے ہوئے ہیں۔ اُن کی گردنیں جُھکی ہیں۔ وہ سراسیمہ و مضطرب دوڑ رہے ہیں۔ گویا ان کا مولا اور آقا سامنے ہے۔ اُنہیں پکار رہا ہے۔ اور لبیک لبیک کہتے ہوئے دوڑ رہے ہیں۔ اس کا تماشا نہیں ہے۔ کہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔ بلکہ توحید کا تماشہ ہے۔ کہ کس طرح مختلف صداؤں لہجوں اور جماعتوں سے اپنے کو بلند کرا رہی ہے۔ یہ مرکز ہے۔ جہاں معلوم ہوتا ہے۔ کہ خدا اپنی عظمت و جلال کے تخت پر بیٹھا ہوا اپنے مطیع بندوں کے پردرد اخلاص کا تماشہ دیکھ رہا ہے۔ اُسے ایک نوجوان جہازی۔ جوزف پڑ کا بیان یاد آجاتا ہے۔ جو وحشی قبل گرفتار ہو کر اپنے آقا کے ساتھ مکہ معظمہ گیا تھا۔ وہ کہتا ہے۔ کہ" یہ دکھائی دیتا ہے۔ کہ ہزارہا ہزار آدمی عجز و انکسار کے لباس میں ہیں۔

برہنہ سر اور رخسار آنسوؤں سے بھیگے ہیں۔ سُن کی پہ معتدہیں۔ ہچکیاں اور طلب استغفار ایک منظر تھا۔ جو انسان کے دل کو شگافتہ کر دیتا ہے"۔ اُسے پھر کمارٹ کا مقولہ یاد آتا ہے۔ کہ "میں نے بہت سے مقامات کی مذہبی رسوم دیکھی ہیں۔ لیکن کبھی کہیں ایسا سنجیدہ اور اثر خیز منظر نہیں دیکھا"۔ مارکس ڈاڈ کہتے ہیں۔ کہ اس جگہ مسلمان اخوت اسلام کی عظمت کا اندازہ کرتا ہے۔ جس وقت وہ دیکھتا ہے۔ کہ وحشی مغربی اور ایک ہندوستانی شاہزادہ دونوں حجر اسود کو چوم رہے ہیں۔ اور ان باتوں کے سُننے کے بعد بیساختہ چیخ اٹھتا ہے۔ کہ نبی عربی ہی نے دُنیا میں خدا کی حقیقی حکومت قائم کی +

اِن باتوں کے باوجود اُس کی نظر بیہودہ رسالوں پر جا پڑتی ہے۔ جو خاص اہتمام سے مسلمانوں کے لئے شائع کئے جاتے ہیں۔ اور جس میں کھان متی کی صفائی سے زیادہ صفائی سے دکھایا جاتا ہے۔ کہ نبی عربی تو خود گنہگار تھے پھر تم گنہگار کی پیروی کیوں کرتے ہو (خاکم بدہن)۔ اور اپنے قول کے ثبوت میں قرآن کی آیتیں پیش کی جاتی ہیں۔ مسلمانوں سے جواب طلب کرنے کے قبل وہ سوچتا ہے۔ کہ جب معترضین کے اصول کے موافق تمام بنی آدم گنہگار ہیں۔ تو خود ان کا رہنما بحیثیت ابن آدم ہونے کے کب اس آلودگی سے خالی کہا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ گلتیوں کے نام پولوس کے خط کے تیسرے باب کی تیرھویں آیت دُوسروں پر اعتراض کے قبل خود اپنے گھر کو اقراری ملزم اعتراض قرار دے رہی ہے +

اور اب وہ پُوچھتا ہے۔ کہ انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ ولا تکن للخائنین خصیما واستغفر اللہ ان اللہ کان غفورا رحیما (حقیقتاً ہم نے تیری طرف بہ راستی کتاب نازل کی۔ تاکہ تو اُس چیز کے ساتھ لوگوں

ہیں حکم کرے۔ جس سے ہم نے تجھے روشناس کیا۔ نہ ہو تم خیانت کرنیوالے کے واسطے دشمن۔ اور طلب بخشش کر خدا سے۔ بتحقیق کہ وہ بخشنے والا اور مہربان ہے)۔ اس آیت میں خدا نبی عربی کو طلب استغفار کی ہدایت کرتا ہے۔ اس کا کیا جواب ہے۔ اور جواب سُننے کے قبل اُسے ہنسی آتی ہے کہ خود مقرر کو بھی اس پر قابل تشفی اطمینان نہ تھا۔ جو شان نزول کے سمجھنے کے بعد حاصل ہؤا۔ اور نبیؐ عربی کی منزلت اور خدا کی عدالت کی وقعت بڑھ گئی +

اور وہ یہ ہے۔ کہ قبیلہ ظفر کے ایک شخص طعمہ ابن اسرق نے قتادہ ابن نعمان کے گھر میں نقب دی۔ اور کچھ مال آٹے کی تھیلی میں رکھ کرلے گیا اتفاق سے تھیلی سوراخدار تھی۔ اثنا کرتا ہؤا گیا۔ طعمہ نے تھیلی کو زید بن سمین یہودی کے گھر امانتاً رکھوادیا۔ صبح کو قتادہ ابن نعمان آٹے کے نشان پر یہودی کے گھر پہنچے۔ اور اُسے چوری کا الزام لگایا۔ یہودی نے کہا۔ کہ یہ طعمہ نے میرے پاس امانتاً رکھوایا ہے۔ لوگوں نے اس کی شہادت دی بنی ظفر اس کی کوشش میں ہوئے۔ کہ طعمہ الزام سے بری ہو جائے۔ یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ ہمارا پیغمبر کسی سے عداوت نہیں رکھتا۔ جو فیصلہ دیگا مبنی بہ انصاف ہوگا۔ یہ آیت نازل ہوئی۔ چونکہ بنی ظفر اپنے گواہوں کی قوت اور نیز مسلمان ہونے کے لحاظ سے اس حسن ظن کے موجب ہو سکتے۔ کہ وہ چوری نہ کرینگے۔ اور بے گناہ یہودی سزایاب ہو سکتا۔ خداوند تعالےٰ نے ہادی کو محفوظ رکھا۔ اگر یہ فیصلہ ہو بھی چکتا۔ تو کوئی جج اس لئے قابل تعذیر نہیں ہے۔ کہ کیوں اُس نے غلط فیصلہ کیا۔ کیونکہ فیصلہ کا مدار گواہوں کی قوت اور نوعیت پر موقوف ہے۔ فیصلہ کی غلطی اُس وقت تسلیم کی جائیگی۔

جب باوجود علم شے اُس کے برخلاف کہا جاتا۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ کسی انسان نے عالم الغیب ہونے کا دعوےٰ نہیں کیا۔ بلکہ جہاں تک کسی نبی کی غیب دانی کہی جاتی ہے۔ وہ خود اُس نبی کے اس دعوے کی حد تک۔ کہ ہم اُس قدر جانتے ہیں جس قدر ہمیں خدا مطلع کرتا ہے +

اب بلحاظ اس کے کہ نبی عربی صلعم سے اجتہادی غلطی بھی صادر نہیں ہوئی۔ اس لئے طلب استغفار اُس بلند درجہ پر ہے جن میں کوئی عالی نفس اپنے عجز پر متنبہ ہو کر اپنے کو قوت اور تسکین دیتا ہے۔ اور عالم الغیب کے سامنے اپنی انکساری کا اظہار کرتا ہے۔ اور حقیقتاً مسلمانوں میں طلب استغفار حصول ثواب کیلئے ایک طاعت مستقل کی حیثیت رکھتی ہیں +

اب اُس کے لئے فیصلہ کرنے اور اثر لینے کا وقت آتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر مسلمان ہونے کے معنی یہ ہیں۔ کہ انسان عالم اسباب کو اسباب میں داخل ہو کر اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ اور اپنے قوائے عقلی اور جسمانی کو اُس طرح حرکت دیتا ہے۔ جس طرح انسان اور جماعت انسان کی غیر متعصبانہ روش فطرتاً ظاہر ہوتی ہے۔ اور اگر انسان اپنے افعال کا خود ذمہ دار ہے۔ جس کی بنیاد پر وہ سزا و جزا کا مستوجب ہوتا ہے۔ اگر بلحاظ فطرت انسانی ایک انسان دوسرے کے مساوی قرار دیا گیا ہے۔ صرف مدارج تقوےٰ یا ارتقائے نفس ہی سے فضیلت ہے۔ اگر مسلمانوں کا خدا ایک منصف اور رحیم حاکم ہے۔ اور اگر مسلمانوں کا ہادی باوجود ایسے نفس اور خصائل کی عظمت کے مخلوقات پر ایسا رحیم اور منکسر ہے۔ جس نے انسانوں میں اپنی معاشرت سے حقیقی محبت کا سبق دیا۔ اور ایسے قوانین نافذ کئے۔ جس کی پیروی جماعت انسانی کے لئے حقیقی رحمت کہی جا سکے۔ جہاں ایسے معتقدات نہیں ہیں

جن پر عقل مضحکہ کرے ۔ جہاں ایسی پُر لطیف معاشرت اور عبادت ہے۔ کہ سب ایک خدا کے بندے معلوم ہوتے ہیں ۔ انہی کی توحید خالص توحید ہے ۔ جس میں شریفانہ آزادی خصائل کے قائم رکھنے کی پوری قابلیت ہے ۔ جہاں دُنیا کی بہتر معاشرت عقبےٰ کا پہلا زینہ ہے ۔ یہی مذہب کا فطری دعوےٰ ہے ۔ اور اعتراضات سے واقف ہونے کے بعد مسلمانوں بلکہ اہل عالم کو قوانین الٰہی سمجھانے والا ہادی اُس سے زیادہ بلند معلوم ہوتا ہے ۔ جیسا اعتراض سے پہلے تھا ۔ وہ کہتا ہے کہ نبی عربی کی ذات اس قابل ہے کہ مسائل ناممکن الحل میں پنچ قرار دی جائے ۔ اور وہ ریاض کے لفظوں میں چیخ اُٹھتا ہے ۔ کہ ؎

کام تیرے ہیں زمانہ کے لئے ناممکن
خود تیری ذات ہے اک عقدۂ مالاینحل

اور وہ گیبتھی کے لفظوں میں کہتا ہے ۔ کہ " اگر یہی اسلام ہے ۔ تو کیا ہم سب اسلام ہی میں بسر نہیں کر رہے ہیں ؟

پھر بھی احتیاطاً وہ پوچھتا ہے ۔ کہ کسی شخص کو مسلمان ہونے پر کس مذہبی عمل جراحی کا تابع ہونا پڑتا ہے ۔ اور اس سے کہا جاتا ہے ۔ کہ حقائق اسلام کے اعتراف کے بعد نہ اُس پر پانی چھڑکا جاتا ہے ۔ اور نہ کثافت کی کوئی معتاد کہلائی جاتی ہے ۔ بلکہ کوئی شخص حقیقتاً اُس وقت سے مسلمان ہے ۔ جب سے وہ اسلام کی خوبیوں کا اقرار علی اورزبانی حیثیت سے کرتا ہے ۔ اور شرک سے باز آتا ہے ۔ اور وہ اپنے تمام توہمات سے جو کبھی ہوں اُس طرح مبرا سمجھا جائیگا جیسا اُس وقت جبکہ وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا +

حضرات ! مَیں نے جو آخری فقرہ عرض کیا ہے ۔ اُس کے مفہوم کے

متعلق مجھے کوئی مختصر فقرہ اس حدیث سے زیادہ بلیغ۔ زیادہ عظمت رینہ۔ زیادہ معنی خیز اور حُسن بیان کا نمونہ نہیں ملتا "کل مولود یولد علی الفطرۃ"۔ اسلام کی حالت۔ اسلام کے معنی۔ اسلام کی سائیکولوجی میرے نزدیک اس سے بہتر لفظوں میں نہیں بیان ہو سکتی +

ضمناً میں اپنے میں یہ گدگدی محسوس کر رہا ہوں۔ کہ یہ عرض کروں بےصلاح نہیں ہے۔ یاد دہانی ہے۔ کہ ہم میں سے کوئی جب نفس اسلام کے متعلق کچھ کہنا چاہے۔ تو بہتر ہوگا۔ کہ وہ نہج البلاغہ کی اوراق گردانی بھی کر لے۔ اور وہ اپنی مدد کے لئے کافی ذخیرہ پائیگا +

حضرات! آپ شائد خیال کرتے ہوں۔ کہ میں ابتک کوئی خیالی یا وہمی حالت فرض کر رہا تھا۔ جسے واقعات سے تعلق نہ تھا۔ نہیں بلکہ میں حالتوں کو ابتک غیر صریح طریقہ سے بیان کر رہا تھا۔ اور بعض طبیعتوں کے فطری عمل کی مصوری کرتا رہا۔ آپ کے خوش ہونے کے لئے شاید یہ مثال پُرلطف ہو۔ کہ واقعات کے متعلق میری گذارش کی مثال شاعروں کے معشوق کی سی حیثیت رکھتی تھی۔ جو کسی کی ادا۔ کسی کی رفتار۔ کسی کی گفتگو۔ کسی کی آنکھ اور کسی کی ناک لیکر اپنا معشوق بنالیتا ہے۔ لیکن اگر میں ارادہ کروں۔ جیسا بشرط قوت اور وقت کرونگا۔ تو ہر حالت کے متعلق ایک غیر مسلم کا قول نقل کر سکتا ہوں +

حضرات! میری نظر میں نو مسلم لارڈ ہیڈلے کا یہ خیال نہایت صحیح معلوم ہوتا ہے۔ کہ "اگر دُنیا کے عقلاء کسی مذہب کی تلاش کے لئے سعی کریں۔ جو موافق عقل و عمل ہو۔ اور جس کے قبول کرنے سے جماعت میں کوئی برہمی نہ پیدا ہو۔ تو وہ اسلام ہی ہوگا" میرے ایک دوست نے

مجھ سے کہا۔ کہ کانفرنس اف ریلجس منعقدہ پارس میں اُس کے ممبروں نے مذہب کی حقیقت سمجھنے کے لئے جو تنقیحات قائم کیں۔ انھیں سُننے کے بعد ایک مسلمان نے کہا۔ کہ یہی ہے۔ جس کی طرف ہم تمہاری توجہ مائل کرتے تھے۔ اب چونکہ تم خود اس نتیجہ پر پہنچے ہو۔ اُس کو قرآن سے بھی سن لو۔ اور جواب میں قرآن کی آیتیں پیش کردیں۔ انسان کی فطرت اور عقل خود بخود اسلام کی طرف میلان ظاہر کر رہی ہے بلکہ بڑھتی جاتی ہے۔ عام اس سے کہ تعصب قومی اُسے اسلام کی پیروی کرنے دے یا نہ کرنے دے ؛

اے حضرات! میرا ذاتی خیال یہ ہے۔ کہ کسی بلند اور مثالی نفس کے لئے سب سے پہلا امتحان یہ ہے۔ کہ وہ اس دُنیا میں پیدا کیا جائے۔ یہ دُنیا جو بُغض۔ حسد۔ نفاق۔ عداوت۔ منفعت اور خود غرض کے پیچھے دوڑتی ہے۔ اور چھچھلی نمائشوں کو شان سمجھتی ہے۔ وہ لوگ جو اس دُنیا کو سمجھے اور سمجھ کر تارک ہو گئے۔ اُن کی مثال اُس سپاہی کی ایسی تھی جو دشمن کی قوت سے مرعوب ہو کر اپنی جگہ چھوڑ دیتا ہے۔ لیکن وہ جو اس دُنیا کو سمجھا اور سمجھ کر مخلوقات کی بہبودی اور برتری کے لئے ہمہ تن مصروف ہو گیا۔ اُس کی مثال اُس کپتان کی سی ہے جو مستول ڈوبنے تک اپنے جہاز کو تباہی سے بچانے کی کوشش سے ہمت نہیں ہارتا سوچئے اپنے اکیلے ہادی کی اکیلی ہمت کو۔ کہ تنہا ہیں۔ اُس پر دُنیا کے عقائد کی اصلاح کا ارادہ۔ تنہا ذات اور رقیب مذہب کے دانتوں کے بیچ میں نشر اسلام کی نقابت!

جب آپ اس فخر بنی آدم بلکہ اکمل افراد عالم کے خیالات اور افعال

پر غور کرینگے۔ تو آپ کہینگے۔ کہ انسانی نفوس کی تاریخ میں نفس رسول کی تاریخ بے غرضانہ نشر حق کی بے نظیر مثال ہے۔ لیکن جب ہم اس اخلاقی اور دینی سایہ سے بھی اعراض کریں۔ تو یہ کہینگے۔ کہ محض جد وجہد کی حیثیت سے بھی یہ ایک مثال ہے۔ جیسی بہت سی نہیں لائی جاسکتیں۔

ہم اس سے ناواقف نہیں ہیں۔ کہ دُنیا کی معمولی روش میں کوئی شخص اپنی قابلیتوں سے فن سپہگری میں نہایت مشہور ہُوا۔ کسی نے اپنی ذہانت سے سیاست میں اعلےٰ درجہ حاصل کیا۔ کوئی مصلح اخلاق ہُوا۔ اور علےٰ ہذا القیاس۔ ہاں ایسا ہو۔ کہ کوئی کند سپاہی سے مشہور جنرل ہو گیا۔ لیکن ہم یہ بھی جانتے ہیں۔ کہ اُنہوں نے خدا کے بندوں سے کیسا برتاؤ کیا۔ اور کس طرح انہیں حقوق بشری سے معرا سمجھا۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں۔ کہ سیاست کو نسے راستے اختیار کرتی ہے۔ مَیں اس سے بھی روشناس ہُوں۔ کہ اخلاق کے لمبے لمبے لکچر کس قدر گہرے اور کتنی دیر کے لئے اثر کیا کرتے ہیں۔ اور زیادہ تر عملی پہلو کو کس حیثیت تک نمونہ قرار دے سکتے ہیں۔ مَیں تعظیم کرتا ہُوں اُن مصلحین اخلاق کی۔ جو گذر گئے۔ لیکن مَیں اپنے کو اس قابل نہیں پاتا۔ کہ یہ کر سکوں۔ کہ اُنہوں نے جو کچھ کیا۔ اُسے اپنی قوم کا جز و خصائل دیکھکر اُنہیں تسکین ہُوئی۔ یا یہ کہ اپنے گردہ پر اُن کے اثر کو اُس کے مساوی بھی امتیاز دے سکوں جو ہادی عرب نے عرب کی سی قوم پر کیا۔ اُس وقت کیا۔ جیسا مارکس ڈاڈ ڈی ڈی کہتے ہیں۔ کہ "مَیں خیال کرتا ہُوں۔ کہ کوئی اس سے انکار نہیں کریگا۔ کہ محمدؐ کے معاصرین کے لئے اُن کا دین اُن تمام باتوں سے جس کا اُنہوں نے اب تک اعتقاد کیا تھا بہت آگے تھا۔ اُنہوں نے پاشاں قبائل کو ایک کردیا اور قوم کو بلند کر کے دُنیا کی ممتاز قوموں کے آگے بڑھا دیا۔ اُنہوں نے وہ کیا جو

یہود یت اور مسیحیت نہیں کر سکی۔ اُنہوں نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بُت پرستی کو دور کر کے ایک قادر مطلق کا اعتقاد راسخ کر دیا ✦

ان تمام حیثیتوں کے مقابلہ میں اُن وسائل پر غور کیجے۔ جو نبی عربی ﷺ نے اختیار کئے۔ ہر موقع کے متعلق آپ رسول ﷺ کے نفس اور اُن کے احکام کو عقل یا اب تک کے مذاہب کا بہترین تصفیہ پائینگے۔ یا طبیعت انسانی کے لئے زیادہ قابل مدح اور قبولیت دیکھینگے۔ رسول کے میدان جنگ کے استقلال کو آپ اس سے سمجھینگے۔ کہ اسلام کا بہادر سے بہادر سپاسی خوفناک وقتوں میں رسول کی پناہ لیتا تھا۔ مَیں جب اسلام کا سپاہی کہہ رہا ہوں۔ تو یہ سمجھانا چاہتا ہوں۔ کہ وہ سپاہی جس نے مغرور کیاں ایران اور متکبر روم کے مشہور عالم تربیت یافتہ سپاہیوں کو دھوئیں کی طرح اڑا دیا۔ اگرچہ دیگر اسباب کے علاوہ مواد اسلحہ کے لحاظ سے بھی مساوی نہ تھا۔ نہ مَیں بحیثیت سپہ سالار کے رسول ﷺ کے کسی انتظام کو ناکامیاب دیکھتا ہوں۔ پُر انتشار وقتوں میں جبکہ تلواروں کی جھنکار میں مسلمان سپاہی منتشر ہو جاتا تھا۔ حقیقی اسلام یا ستون الہی اپنی جگہ رہتا تھا۔ یہاں تک کہ اُس کا سکون ووقار اور مافوق العادت جذب منتشر سپاہیوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا تھا ✦

اگر مَیں رسول کے اُس موقع کو جو انہیں حاصل تھا۔ خالصۃً سیاسی حیثیت کا تسلیم کردں۔ تو مَیں بغیر کہے نہیں رہ سکتا۔ کہ اے کاش دُنیا کی سیاست اتنی ہی کامیاب ہوئی ہوتی۔ ایسی محیر العقول سیاست جس نے مشہور عالم اتحاد قومی حب الوطنی اور ایثار پیدا کیا۔ جس کے اثر سے رومی اور ایرانی قومیں جو اُس زمانہ کی سیاست کے اعتبار سے سند ہو سکتی تھیں خود سے ماتحتی قبول کرتی تھیں۔ اور ایسی نعمت سمجھتی تھیں۔ اس کا اثر تھا۔ کہ

صوبہ کے صوبہ میں سال بھر میں ایک جرم کی رپورٹ ہوئی۔ اور یہ اسی کے اثر سے بغیر اس کے کہ کسی کو جرم کی اطلاع ہو۔ مجرم خواہ اپنے سیاسی رہنما کے پاس دوڑتا تھا کہ وہ سزا دے کہ اسے اُس سزا سے بچائے جو گنہگار انسان کو اپنے اعمال کی پاداش میں ملنے والی ہے۔ وہ رہنما جس کی ذات اُس کی امت کے لئے تمام سونے اور چاندی سے زیادہ عزیز تھی۔ سیاست کے لئے ایک حیرت خیز معجزہ ہے +

لیکن میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ میں ایک حیثیت سے موازنہ نہیں کر رہا ہوں۔ بلکہ ہمارا ہادی اگر ایک وقت متمم مکارم اخلاق ہے۔ تو دوسرے وقت صاحب شریعت ہے۔ تیسرے وقت سپہ سالار ہے۔ چوتھے وقت مقنن ہے۔ پانچویں وقت وہ بانی قوم ہے۔ حقیقتاً اپنی تعلیم کو جزو خصائل بنا دینا۔ نبی عربی کی حیرت خیز کامیابی تھی۔ ذات اور اصول کا حیرت خیز معجزہ تھا +

اسی طرح وہ حالت نماز میں عبد خدا ہے۔ وہ ہمیں [illegible] بندگی اور پاک بازی کی مہر کرنے کے بعد آپ نے عجز و انکسار سے انہیں [illegible] دلوں پر خدا کی حقیقی عظمت کا سکہ جماتا ہے۔ سب کچھ آسان ہے۔ لیکن قلب انسانی پر حکومت کرنا مشکل ہے۔ پڑھو۔ کھانے کی طرح نہیں۔ غور سے۔ اور تم فیصلہ کرو گے۔ کہ نبی عربی کے خلق کرنے سے خداوند تعالےٰ کی مشیت تھی کہ انسان کو اس کے عجیب بلند کرشمے۔ اور تم اگر تعصب سے دور ہو۔ تو کہو گے۔ کہ ہادی برحق نے اپنے طرز عمل سے سچ مچ یہ سمجھنے کی مثال دی۔ کہ خدا کا پیدا کیا ہوا بندہ ایسا بھی ہو سکتا ہے +

شارع اسلام کا ہر حکم۔ ہر انداز ہر عمل اور ذات ایسی چیز نہیں ہے۔

جو تاریخ کی تاریکی میں گم ہو۔ جس سے کسی کو اس شبہ کی گنجائش ہو۔ کہ یہ اصول کس کا قائم کیا ہوا تھا۔ اور فلاں ذات کون تھی۔ بلکہ نبی عربی ؐ کے حرکات و سکنات وہ پبلک ہوں۔ یا پرائیویٹ دیکھنے والے بیشمار مسلمانوں اور اُن کے ذریعہ سے اُنکی اولاد کا ورثہ تھا۔ جو ہم تک پہنچا ہے۔ اور ہمارے بعد قیامت تک قائم رہیگا۔ غور کرو۔ کہ یہ سمجھنے کا کیسا محفوظ وسیلہ ہے۔ اب آپ سُنیں اگر سُننا چاہیں۔ کہ ایسا انسان بھی انسان کی زبان سے محفوظ نہیں رہا۔ اور اور اُس کی شان والا میں وہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ جو منجملہ دیگر باتوں کے ہمیشہ ہمیشہ کی شرم کے لئے کافی ہے۔ گر جائے میری زبان اگر میں اُن کا اعادہ کروں۔ اور اپنے کو اس سے زیادہ شریف سمجھتا ہوں۔ کہ اُسی رویف و قافیہ میں جواب دوں۔ اگرچہ چُٹ پٹے الفاظ کی کمی اور روانی کے ضعف کی الحمد للہ کوئی شکایت نہیں ہے۔

اب پوچھینگے۔ کہ کیوں ایسا ہوا۔ اس کے تمام تر وجوہات کی تفصیل کیلئے نہ مجھے وقت ہے۔ اور نہ جن حدود کو عبور کرنا پڑیگا۔ اُس سے بحث کا مجھے موقع حاصل ہے۔ لیکن یہ کہ سکتا ہوں۔ کہ برے الفاظ اور غلط فہمیاں اس لئے پھیلائی گئی ہیں۔ کہ اپنی زرپاشی۔ انتظام۔ کوشش اور نفوت کے مقابلہ میں باوجود غیر منتظم حالت کے اسلام کو بے رکاو سیلاب کی طرح پھیلتا ہوا دیکھ کر دفعۃً اعتدال طبیعت ضائع ہو جاتا ہے۔ اور اس میں کامیابی سمجھی جاتی ہے۔ کہ دل کے بخار دُوسرے طریقوں سے نکالے جائیں۔ اور یہ اصول سمجھا یا جاتا ہے۔ کہ قوم کی غلطیوں کا ساتھ دینا بھی قومیت ہے۔ لغو اعتراضات کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ کہ اعتراضات کی بوچھاڑ سے اسلام کو سمجھنے کا موقع نہ دو۔ اور وہ اس لئے کہ دنیا کے نزدیک محض دماغی کوشش

کامیابی کے لئے غیر مفید سمجھی گئی ہے۔ اور یہ اعتراض سے اُن کا یہ مقصود ہے۔ کہ وہ اپنا شبہ رفع کریں اور حقیقت امر سمجھیں۔ لیکن سچائی اپنی داد پاتی ہے۔ جبکہ مسلمان نہیں۔ بلکہ غیر مسلم۔ کسی مذہب کا پیرو نہیں۔ بلکہ جن کا کوئی مذہب نہ کہا جائے۔ اور جو بے دیوار اصول کے لوگ ہوں۔ اپنے بہترین کپڑوں سے رسول اکرم کے رسم مقدس پہ سے دھبہ پونچھنے کھڑے ہو گئے ڈیون پورٹ کارلائل کا ایسا نقاد۔ والیٹر کا ایسا مدبر فلسفی اس ظلم پر چیخ اُٹھا۔

حضرات! جس صبر اور جس توجہ کو آپ نے میرے لئے جائز فرمایا۔ میں رسمی الفاظ نہیں بلکہ حقیقت میں آپ کا معترف ہوں۔ میں انسان کی توجہ کی عظمت سے مرعوب ہوتا ہوں۔ میں توجہ اور کوشش ہی کو انسان سمجھتا ہوں میں خصوصاً ایسی حالت میں آپ کا اور زیادہ مشکور ہوں۔ جبکہ آپ کے اشتیاق کو بجز اُن قابل حضرات کے جو اسلام اور اُس کے مقدس شارع کے بھلانے کے قابل فخر کوشش نہیں۔ جنہیں گوارا فرما کر یہاں تشریف لائے ہیں اور کسی طرف مبذول نہ ہونا چاہئے۔ اس کے بعد بھی اگر آپ مجھے اجازت دیں۔ اور آپ کے برداشت کی حد نہ ہو گئی ہو۔ تو میں گوارا حد تک یہ عرض کروں کہ مختلف لوگوں نے اسلام کی خوبیوں کا کن لفظوں میں اعتراف کیا ہے۔ ورنہ میں خود اسے بیجا مداخلت سمجھ رہا ہوں۔ اور اس سے زیادہ خوش ہونگا کہ بجائے خود کچھ عرض کرنیکے سنوں اور فائدہ اُٹھاؤں۔

ممکن ہے۔ کہ آپ مجھ سے یہ امید کرتے ہوں۔ کہ میں توحید۔ نبوت۔ معجزہ۔ معراج۔ الہام یا اعتراضات کے رفع کرنے کی کوشش کروں۔ یا اسلام کو دیگر ادیان پر جو امتیاز حاصل ہے۔ اُس کے متعلق کوئی مستقل مضمون پیش کروں

میں خوش ہوں۔ کہ یہ تمام مضامین کسی نہ کسی حیثیت سے قابل معززین نے اپنے ذمے لئے ہیں۔ اور میں سوچ رہا تھا۔ کہ اوقات گذاری کے لئے ایک درمیانی راہ اختیار کروں۔ یا ایک عنوان اختیار کروں۔ جو مجموعہ کی حیثیت رکھتا ہو۔ مجھے اس جواب میں تھوڑی دقت نہیں ہوئی۔ کہ میں اپنے مضمون تقریر کا کیا عنوان قرار دوں۔ انجمن نے اس کا نام رکھا ہے۔ لیکن اگر آپ اجازت دیں۔ تو میں اسے بےمیل مضمون کہوں۔

مجھے اس میں شبہ رہا۔ کہ ہوگا جلسے کسی باریک مسلسل اور متعلق مضمون کو دیر تک سننے کے قابل صابر ہیں یا نہیں۔ اس کے علاوہ مجھے یہ خیال ہے۔ کہ وقت آیا ہے۔ کہ مذہب کو دقیق بحث کی شکل میں پیش کرنا مفید ہو یا نہ ہو۔ لیکن نوازمیں پھیلانا بلاخوف اعتراض زیادہ مفید ثابت ہوتا ہے۔ اگر آپ نے واقعات عالم کی طرف اپنی آنکھیں کھلی رکھی ہیں۔ تو سمجھ میں آئیگا۔ کہ کمزور قومیں زبردست قوموں میں جذب ہوتی جاتی ہیں۔ یعنی اپنی حقیقت کھوتی جاتی ہیں۔ اور مضبوط قومیں اپنے کو اور قوی کرنے کے لئے جذب کرتی جاتی ہیں۔

ضمناً ایک مستفسر سے اپنی ملاقات کا تذکرہ کرتا ہوں۔ جو مجھے امریکن پروفیسر بتلایا گیا۔ اس نے مجھ سے سوال کیا۔ کہ جب مسلمان اپنے مذہب کو برحق سمجھتے ہیں۔ اور وہ جانتے ہیں۔ کہ اکثر قومیں عقائد باطلہ میں مبتلا ہیں۔ تو مسلمان تلقین اسلام کے لئے اپنے مشن کیوں تیار نہیں کرتے۔ کیا ہمارا کوئی باضابطہ مشن تھا جس کی طرف ہم انگلی اٹھا دیتے۔ میں بجز اس کے اور کچھ نہ کہہ سکا۔ کہ ہر پڑھا لکھا مسلمان اس پر آمادہ رہتا ہے۔ کہ کوئی شخص جو اسلام کے متعلق کچھ دریافت کرے۔ اُسے صحیح حالات سے مطلع کرے۔ اور مسلمان

بجائے خود اسلام کا ایک بے تنخواہ والا مشنری ہے۔ لیکن زمانہ حال کے موافق اہم مشن کو ضروری سمجھتے ہیں۔ اور وہ لوگ جنہیں انتظام کے وسائل حاصل ہیں۔ اس فکر سے خالی نہیں ہیں۔ انشاءاللہ اسلام کا مشن بہت جلد کام کریگا +

غیر قومیں کوشش میں ہیں۔ اور ہم کچھ نہیں کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ زمانہ شناس قومیں اپنے متعلق انتظامات کے بعد بھی غافل نہیں ہیں۔ وہ متمول ہیں۔ پڑھی لکھی ہیں۔ اور ذی ہوش ہیں۔ ہم غافل ہیں۔ کاہل ہیں مفلس ہیں اور مبتلائے جہل ہیں +

معاف کیجئے اگر میں نے سخت الفاظ استعمال کئے ہوں۔ لیکن میں بغیر صاف گوئی کے حقیقت کا اثر نہیں ڈال سکتا۔ اور اگر کسی کو موجودہ حقیقت کے سمجھنے سے انکار ہے۔ یا چشم پوشی کرتا ہے۔ اور چاہتا ہے۔ کہ آگ کو کپڑے سے چھپا دو۔ تو میں اُس کی خواہش اور روش کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ نہ میں بر سرِ اولاد آدم ہرچہ آید بگذرد کو پسندیدگی سے دیکھتا ہوں۔ میرے نزدیک تلخ گوئی کی نامقبولیت اس سے زیادہ مقبول ہے۔ کہ میں خس پوش گڑھے کو خس پوش گڑھا نہ کہوں۔ حق کو محض حق سے محفوظ کرنا۔ اگر کبھی ممکن تھا تو آج نہیں ہے۔ مذہب ہی کو مذہب کی حفاظت کے لئے چھوڑ دینا نہ ہوگا بلکہ اُسے انتظام۔ مال اور تعلیم سے مدد دینی ہوگی۔ ہم اُس وقت تک اسلام کی زبانی دوستی اور محبت کا دعوے کرتے رہینگے۔ جب تک ہم اپنا جہل اور افلاس دور نہ کریں۔ اُس وقت اور صرف اُسی وقت ہم اسلام اور اُس کے مقدس شارع کی بلکہ خود اپنی بھی آپ مدد کر سکینگے۔ اور مخلوقات کے کام آئینگے۔ ورنہ محض تعریفیں کرنا تو آئینے کے سامنے بھی ممکن ہے +

برادران ملت! میں واقف ہوں۔ کہ ہندوستان میں بہت سے مسلمان اس پر آمادہ ہیں۔ کہ اُنہیں کہیں اسلام کے متعلق کچھ کہنے کے لئے بلاؤ۔ اور وہ اس پر آمادہ ہو جائینگے۔ "قابل تعریف" لیکن میں پوچھتا ہوں۔ کہ ان میں سے کے ہیں۔ جنہوں نے اپنے مذہب اور اہل مذہب کے سمجھنے کے لئے ضلع کا گزیٹیر۔ صوبہ یا ملک کی مردم شماری کی رپورٹ پڑھی ہو۔ یا پڑھوا کر سنی ہو۔ اور اس کا نتیجہ ہے۔ کہ ہم اس سے واقف نہیں ہیں۔ کہ بہت سی قومیں جو خوش اتفاقی سے کبھی اسلام کے حلقہ میں تو آگئیں۔ لیکن اس کے بعد نہ اس کا وقت آیا۔ کہ وہ اسلامی معتقدات اور رسومات میں راسخ کر دی جائیں نہ مسلمانوں کو اس کی توفیق ہوئی۔ کہ اُن کے حال سے باخبر رہتے۔ اور اُن کی مدد کرتے۔ نتیجہ یہ ہے۔ کہ اُن کے جہل اور اوہام کی کمزوری دیکھ کر ہم سے زیادہ مستعد اور ذی ہوش قومیں آہستہ آہستہ منہ کھولے ہوئے اُن کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ میں خصوصیت سے مسلمانوں کی توجہ کو بمبئی۔ مدراس۔ کشمیر اور بلوچستان کی مردم شماری کی رپورٹ پر مبذول کرتا ہوں +

ہم کر کیا رہے ہیں۔ ہم لوگ اس میں مگن ہیں۔ کہ فلاں جگہ ہم نے مناظرہ میں فلاں کا ناطقہ بند کر دیا۔ فلاں کتاب لکھ دی۔ کہ جواب دینے والے کے آگے کے کُل دانت ٹوٹ گئے۔ فلاں غیر فریق کی مسجد پر قبضہ کر لیا۔ فلاں جلسہ میں ایسے جُملے کسے۔ کہ کوئی سر نہ اُٹھا سکا۔ فلاں جلسہ اس دھوم دھام سے کیا۔ کہ اب تک نہیں ہوا۔ اور اب جو جا کر سوتے ہیں۔ تو صور اسرافیل ہی جگائے تو جگائے۔ اگر ہم مسلمان ہیں۔ تو اسلام کو ہمارے ہوش کا خواب اور خواب کا ہوش ہونا چاہئے +

میں نہیں کہتا۔ کہ شیعہ کو شیعہ۔ سُنّی کو سُنّی اور اہلحدیث کو اپنی جگہ نہ رہنا چاہئے

یا مہذب - محتاط اور قرینِ عقل تفتیش جائز نہ رکھیں - مَیں قومی جہات کے بڑے حصرف سے بھی ناواقف نہیں ہُوں - مَیں تو یہ کہہ رہا ہُوں - کہ جہاں شیعہ کو شیعہ - سُنّی کو سُنّی اور اہلِ حدیث کو اہلحدیث رہنے کی ضرورت ہے - وہاں اس کی بھی سخت اور بڑی سخت ضرورت ہے - کہ کہیں اسلام کے کل فرقے مسلمان ہی ہوں - اور اپنی اُس ماں کی بہبودی - ترقی اور آسائش کیلئے جسے اسلام کہتے ہیں - اُس کے تمام فرزند شانے ملا ملا کر اور سر جوڑ کر کام کریں - ہمیں اس میں مسیحیوں کے بیشمار فرقوں کی ایسی ہی کوشش سے سبق لینا چاہئے - مَیں نہیں سوچتا - کہ جہل اور افلاس کے دُور کرنے - نفاق کو دور کر کے اتحاد کا شیوہ اختیار کرتے - رہو اور رہنے دو پر عمل کرنے - دور از راہ قوموں کو راہِ حق دکھانے سے بڑھ کر قدرِ مشترک تلاش کرنا ضروری ہے - یا اس سے بڑھ کر کوئی اور دین کا کام ہے +

خیر - تو مَیں اپنی تقریر کی مضرّب میں خود ہی آ گیا - اور آپ معاف کریں کہ مَیں اس کی معافی بھی نہ مانگونگا - مَیں کہہ رہا تھا - کہ اسلام اور اُس کے ہادی کے مقدس نام کے بلند کرنے کے لئے اور غلط الزامات کے رفع کرنے کی غرض سے مسلمان نہیں بلکہ غیر مسلم قومیں کھڑی ہو گئیں +

(اس جگہ مقررہ وقت پُورا ہو گیا - اور بقیہ تقریر دوسرے دن کے لئے ملتوی رکھی گئی - جو نئی تمہید کے ساتھ شروع ہُوئی) +

حاضرین!

آج میرے لئے ایک یہ دشواری ہے - کہ میرا کل کا مضمون ایک سلسلہ تھا - جس کا زیادہ تر حصہ مَیں گوش گذار کر چکا - اب اُس کا اس قدر مختصر جزو باقی ہے - جس کا اقتضا یہ ہونا چاہئے تھا - کہ وہ کل ہی ختم ہو جاتا لیکن

چونکہ قانون کی پابندی لازمی ہے۔ اور بہت کام بھی باقی تھا۔ اس لئے ممکن نہ تھا۔ کہ میں اپنا سلسلہ جاری رکھ سکتا +

جو کچھ باقی رہ گیا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ اسلام کی بعض حیثیات کے متعلق غیر مسلمین کیا کہتے ہیں۔ لیکن چونکہ میں نے جناب صدر سے اجازت حاصل کر لی ہے۔ کہ میں اپنی کل کی تقریر کا ایک مختصر خاکہ کھینچ دوں۔ اس لئے میں یہ عنوان پسند کرتا ہوں۔ کہ جو کچھ میں عرض کر چکا تھا۔ اُس کی کوئی شرح نہیں کی تھی۔ بلکہ صرف اکثر مسائل کی طرف اشارہ کرتا ہُوا چلا گیا تھا۔ آج بھی یہ عرض کرونگا۔ کہ میری تقریر کا نفس کیا تھا۔ اور کیوں میں نے وہ روش اختیار کی تھی +

میرا نقطہ اقدام یہ تھا۔ کہ ایسے دلائل عقلی جو مبنی بر واقعات نہ ہوں۔ عموماً بشر پر یقین نہیں ہُوا کرتے۔ میں نے یہ ظاہر نہیں کیا۔ لیکن اس روش پر چلا۔ اور واقعات یا تجربہ کو اپنا رہنما قرار دیا۔ اور مسائل ناممکن الحل سے کوئی بحث نہیں کی۔ مثلاً توحید۔ نبوت۔ معاد وغیرہ ناممکن الحل اس مفہوم میں کہ ہم سے کہا جاتا ہے۔ کہ کیا تم نے خدا کو دیکھا ہے؟ ہم کہتے ہیں۔ کہ نہیں دیکھا ہے۔ اب صرف اس بات سے بحث رہ جاتی ہے۔ اور کہا جاتا ہے۔ کہ سبب سے مسبب۔ اور صنعت سے صانع۔ شعور اور وجدان اور متضاد چیزوں کے نظم وغیرہ سے ہم ایک قوی استنباط کا موقع پاتے ہیں۔ کہ کوئی صانع اور خالق اور مختلف حالات واسباب کا کوئی منتظم ہوگا۔ لیکن ہم سب یقینی "ہے" نہیں کر سکتے۔ بلکہ صرف استنباط عقلی پر دوڑ سکتے ہیں۔ یہ بحث ہے۔ جو میرے مکرم و محترم خواجہ غلام الحسنین صاحب پانی پتی نے اس لطف سے پیش کی ہے۔ اسی توحید کے متعلق بعض حکماء خیال کرتے

ہیں۔ کہ محض عقل سے خدا کے وجود کا قائل ہونا دشوار ہے۔ جب تک کہ اس میں وجدان کا جزو شامل نہ کیا جائے۔ اور وجدان کو وہ ایک صنعت طبیعت سمجھتے ہیں۔ مثلاً مجھے یاد آتا ہے۔ کہ کسی زمانہ حال کے فلسفی نے پوچھا گیا جو ملحد تھا۔ کہ خداوند تعالےٰ کیوں مصیبتوں میں یاد آتا ہے۔ اُس نے کہا۔ کہ ہمارے نفس کے صحیح فیصلہ اور استقلال کی قوت ضائع ہوجاتی ہے۔ اور عقل و نفس کی کمزوری کے عالم میں انسان ہر تسکین دینے والی شے کو قبول کرلیتا ہے +

خیر۔ تو میں آپ کو عقل کی قابلیت یا ناقابلیت یا وجدان کے ضعیف یا قوی ہونے کی بحث میں کبھی نہ اُلجھاؤنگا۔ اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک ایسی متضاد صورت کی چیز ہے۔ کہ جس میں معتدل فیصلہ کی دشواری ہوتی ہے +

مثال دیتا ہوں۔ کہ دُنیا کے کسی احمق سے احمق کو بھی اگر آپ احمق کے لفظ سے یاد کیجیے۔ تو وہ کاٹ کھائیگا۔ اس کا فلسفہ یہ ہے۔ کہ عقل کی حکومت اس درجہ عالمگیر اور مقبول ہے۔ کہ کوئی شخص اس سے اپنے کو خالی کہلوانا اپنی انسانیت میں نقص سمجھتا ہے۔ اور اس کی عظمت آپ کو ایسی روایتوں میں بھی ملیگی۔ کہ خداوند تعالےٰ نے کسی نبی سے کہا۔ کہ تم عقل چاہتے ہو یا ثروت۔ اور انہوں نے عقل کی خواہش کی۔ اس پر خوش ہو کر خداوند تعالےٰ نے انہیں ثروت بھی عطا کی اسی بنا پر مسلمانوں کے اثناعشری فرقہ کے نزدیک حسن و قبح اشیاء عقلی ہے۔ اس مقدار عقل پر مذہب نے سزا و جزا موقوف کی ہے۔ اور حکومتوں نے عقل سے معرا شخص کو قانون شکن قرار نہیں دیا ہے +

خیر تو اس سے میرا یہ مطلب ہے۔ کہ عقل جس کی اس درجہ عظمت ہے۔ کہ وہ انسان کی ہادی اوّل قرار دی جائے۔ اُس کا اثبات توحید یا نبوت وغیرہ سے

خارج کردینا بہت آسان کام نہیں ہے +

دُوسری صورت اس عقل کی یہ ہے۔ کہ عقلاے دہر میں بہت سے ایسے گذرے ہیں جن کی عقل کی تعظیم کی جائے۔ لیکن وہی بعض دیگر مسائل میں اپنی عقل کے ضعف کا ثبوت دیتے ہیں۔ مثلاً توحید ہی کی ایک شاخ کو لیجے۔ کہ اگرچہ اُن کے نزدیک کسی خدا کا ہونا مسلم ہے۔ لیکن وہ اُس کے علاوہ کسی اور کو موجود ہی نہیں سمجھتے۔ اور اُن کے نزدیک قاتل مقتول۔ مجرم اور بیگناہ سب برابر ہیں۔ جہاں تک ذات خالق کے ماورا کسی شے کے وجود کے اقرار سے بحث ہے۔ اگرچہ وہ دُنیا کے تجربہ میں اپنے اس مفروضہ پر عمل نہ کرتے ہوں۔ اسی طرح عقلا ہیں۔ مصلح قوم ہیں۔ لیکن وہ زائل کن عقل ام الخبائث کے بھی بڑے گہرے دوست ہیں۔ عقلا ہیں۔ جو ثقل ارضی دریافت کر سکیں۔ لیکن ایک وقت وہ ایسے بھی ہیں۔ کہ اُنہیں اس کا ہوش نہیں۔ کہ اگر ایک سوراخ سے بلّی نکل سکتی ہے تو اُسی سے اُس کا بچّہ بھی نکل سکتا ہے یا نہیں +

پھر ایک دُوسرا سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ کبھی دُنیا میں محض عقل ہی سے کام نہیں چلتا۔ ہم نے مانا کہ کوئی افلاطون کا ایسا ذکی۔ سقراط کا ایسا ماہیت اشیاء میں داخل ہونے والا۔ فلاں سائنسٹ کا ایسا طبیعت اشیاء جاننے والا اور فلاں فلسفی کا ایسا حقائق موجودات پر غور کرنے والا نہیں۔ لیکن یہ اس کی ذمہ داری نہیں ہے۔ کہ وہ اپنے عقل اور عمل سے ضرور دُنیا کی اصلاح بھی کرے۔ اور فساد نہ کرے۔ فساد۔ مثلاً منفعت کے لئے مخلوقات کو اپنا تابع بنانا۔ دُوسرے گروہوں کے استیصال کی فکر کرنا۔ خود غرضی پر مخلوقات کو قربان کردینا۔ دروغ فریب۔ قتل و غارت کیوں وہ ان میں سے کسی کا پابند ہو؟

اس کے عکس میں کوئی بڑا مصلح اخلاق ہے۔ لیکن کچھ ضرور نہیں ہے۔ کہ وہ

بڑا عاقل بھی ہو۔ اور دیگر عقلاء کی عقل سے مغلوب ہو کر اپنے علم اخلاق کی قوی دلیل نہ بیان کر سکے۔ جو قابل تشفی ہو✦

تم کہو گے۔ کہ لیکن دنیا میں عقل اور اخلاق کا یکجا ہونا ممکن ہے۔ بہتر۔ ہم تسلیم کرتے ہیں۔ کہ کسی بڑے عاقل کے لئے بڑا مصلح اخلاق ہونا اور ان دو صفتوں کا بدرجہ کمال موجود ہونا ممکن۔ اب تم زیادہ سے زیادہ یہ کہو گے۔ کہ پھر جب ایسے شخص کا ہونا ممکن ہے۔ جو ہمیں صحیح تصفیہ کی طرف لے چلے۔ اور ساتھ ہی محاسن اخلاق کی تعلیم کا اُس میں کافی جوش بھی ہو۔ تو ہمیں کیا ضرورت ہے۔ کہ ہم کسی ایسے دعوے کو تسلیم کریں۔ کہ کسی کے پاس وحی آتی تھی۔ یا جبرئیل آتے تھے یا الہام ہوتا تھا؟

خوب۔ تم جب صداقت کے قریب آ گئے ہو۔ ہم سے اُس کا انکار کیوں چاہتے ہو۔ اور صرف لفظ نبوت سے تمہیں کیوں اس درجہ تعصب ہے۔ تم تو اجزائے نبوت میں سے کئی کے قائل ہو گئے۔ رسول بھی تو یہی فرماتے تھے کہ ہماری عقل یا عقل کو خدا نے پہلے پیدا کیا۔ اور رسول بھی تو اپنے کو متمم مکارم اخلاق بتاتے تھے۔ اور اُن میں یہ جوش تھا ہدایت کا جس پر غیر قومیں متحیر ہی نہیں ہیں۔ بلکہ وہ جوش ہدایت کی تاریخ میں نادرات سی ہے✦

اب ہم پوچھتے ہیں۔ کہ کیا انسان میں علم اور اخلاق ہی ہوتا ہے۔ اور اسی پر انسان کی اعلےٰ قابلیتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ یا انسانی طبیعت کا عمل کچھ اور بھی دکھا سکتا ہے۔ فرض کرو۔ کہ تمہارے سامنے کوئی مسئلہ آتا ہے۔ اور اُس کے فیصلہ کے لئے جو وزن موافقت کے متعلق ہے۔ ویسا ہی مخالفت میں ہے۔ اب ایسی مساوی صورت میں تم مسئلہ سے دست بردار ہو جاتے ہو۔ یا تصفیہ کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ تم کہتے ہو۔ کہ ہم خواہ مخواہ ایک طرف جھک جاتے ہیں۔

ہم کہتے ہیں۔ کہ نہیں تم نے اپنے نفس کی ایک حرکت پر غور نہیں کیا۔ یا تم میں وہ قوت ضائع ہوگئی۔ یا ضعیف ہے۔ یا اُس کا نشو نہیں ہُوا اور وہ یہ ہے۔ کہ عقلی وفکر کے بعد جب تم کسی فیصلہ کا موقع نہیں پاتے۔ تو تمہارے نفس میں ایک حرکت ہوتی ہے۔ حرکت سریع ہے جسے تم ایک حیات کہو۔ تازگی کہو۔ تمام خاصہ رُوحانی کی ایک حرکت کہو۔ یا ایک روشنی کہو۔ جو تمہیں ایک طرف جُھکا دیتی ہے۔ اعصاب عقل کی ماندگی کے بعد تمہیں اس سے وہ تسکین ہوتی ہے۔ کہ پھر تم اس فیصلہ سے جلدی نہیں ہٹتے۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ کیا یہ وجدان ایسا ہی ہے۔ جیسا کسی کمزور نفس کا تھا۔ جو کسی خیال یا احساس کے ساتھ فوراً جذبہ میں آگیا یا تمہاری عقل کے استقلال میں تم پر ایک کیفیت طاری ہوئی۔ تم اپنے میں کوئی دماغی ضعف۔ ہوش کی کمی۔ یا عقلی اضمحلال نہیں پا رہے تھے۔ یہی حالت وجدان سلیم تھا۔ جو ایک حد تک تم میں پیدا ہُوا۔

آیا اس کے بعد تم میں اس قوت کا نشو ممکن ہے یا نہیں۔ وہ کہتا ہے کہ ہم کیسے نشو و ارتقاء ذہنی سے انکار کر سکتے ہیں۔ اور ہم کہتے ہیں۔ کہ جب تم میں استعداد ایک کافی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ تو ہم اُسے زردشتیوں کے لفظ میں سروش۔ عام لفظوں میں الہام اور علیؑ مرتضےٰ کے لفظوں میں سامعہ باطنی کہتے ہیں۔

اور جب انسان میں عقل و اخلاق کا ایک درجہ ہوتا ہے۔ اور اُس کے نفس کو امر خیر کا ایک ملکہ حاصل ہو جاتا ہے۔ تو اس میں تمہارے اس خفیف تجربہ کو وسعت ہوتی ہے۔ اور اس کا درجہ کمال وحی کہا جاتا ہے۔ کہ پھر ایسا شخص اپنے نفس کی صفائی سے صحیح غور کے ملکہ سے جب کسی امر کے متعلق فیصلہ چاہتا ہے۔ تو عالم کی اصل خبر اُس کے نفس کی حرکت اور

جھنجھناہٹ سُن لیتی ہے۔ اور وہ نفس عظیم (خدا) ایسی ہی لہریں جاری کر دیتا ہے۔ اور اس طرح بے تار اور بغیر محسوس ذریعہ کے مارکونی گرافی کی مثال سے الہاموگرافی جاری ہو جاتی ہے +

دُوسرا امر جس پر ہم توجہ دلانا چاہتے ہیں۔ وہ یہ ہے۔ کہ الہام کا لفظ اُن خیالی لفظوں کی طرح نہیں جیسے ماں اپنے بچوں کو ڈرانے کے لئے ایجاد کیا کرتی ہے۔ بلکہ انسان کے نفس کے صحیح عمل اور تجربہ پر ہے۔ اور جب ایک لفظ کا وجود ہے اور اس طرح ہے۔ کہ انبیائے فاضلین کے دعوے بھی ہیں۔ تو کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے۔ کہ وہ کسی حقیقت کو ظاہر نہیں کر رہا ہے۔ اور کروڑ ہا کروڑ انسانوں نے اُس لفظ کی تردید نہیں کی۔ بلکہ اُسے مستقلاً اپنی لغتوں میں قبول کیا۔ الہام کے لفظ کا عالمگیر ہونا اُس کے فطری قانون ہونے کی ایک قابل تسکین دلیل ہے +

اور اگر الہام کی ایسی کوئی حالت فطری اور صحیح ہے۔ تو اس کے ذریعہ سے جو شخص کہے۔ کہ "خدا ہے"۔ تو وہ شدت۔ قوت اور یقین سے کہہ سکیگا درانحالیکہ ہم محض استنباط سے "ممکن ہے" یا "ہوگا" کہینگے +

آپ خیال فرماتے ہونگے۔ کہ میں کسی دلیل یا مفروضہ کے ساتھ نہیں چلا۔ بلکہ فطری واقعات پر نظر کی۔ جیسے خود انسان اپنے منہ سے کہے۔ اور میں اُس کی صحت کو قبول کرتا یا کراتا جاؤں۔ میں اس سے صرف اپنی روش سمجھا رہا تھا۔ میرا مضمون نہ نبوت ہے نہ توحید ہے۔ لیکن چونکہ اسلام کی بعض حیثیات میں سب کچھ داخل ہے۔ اس لئے میں نے اس کی طرف اشارہ کیا +

اس لئے میں نے توحید کے اشارہ میں توحید سے بحث نہیں کی۔ بلکہ گویا تم کے اخلاق بغیر خدا ہونے سے یہ سمجھایا۔ اگرچہ جماعت انسانی نے اپنا ایک

نظام بنایا۔ لیکن چونکہ اُس میں باوجود عقل اور اخلاق کے غلطیاں رہ گئیں۔ اور مذہب کی عدم فطرت۔ نہ جزو جماعت بلکہ اُس کے ساتھ اچھے اصولوں کی تباہی کے بھی باعث ہوں۔ اور انسانی تجربہ نے یہ بتایا۔ کہ اگر اُس میں توحید کا جزو بھی شامل ہوتا۔ تو شاید وہ مذہب اس قدر جلد تباہ نہ ہوتا۔ اور رہ جاتا ◆

خیر تو چونکہ توحید کو بھی میرا جزو تقریر ہونا چاہئے۔ اس لئے میں تفصیل نہیں کہتا۔ کہ کوئی وجود انسانی تجربہ اخلاقی میں اپنی پاکیزگی اور جلالت کی ہم سے شہادت دلوا رہا ہے۔ اتنا کہونگا۔ کہ وہ انسانی قابلیتوں اور استعداد اخلاقی سے بالاتر کسی وجود کا قائل نہیں ہے۔ اُس کی مثال ایک بیوہ عورت کی سی ہے۔ ایک یتیم بچہ کی مانند ہے۔ جسے بجز مایوسی۔ تاریکی اور اضطراب کے کچھ نہیں دکھائی دیتا۔ اس سے میں یہ سمجھانا چاہتا ہوں۔ کہ نفس کی یہ حالت نظام عالم کے لئے زہر قاتل ہے۔ مایوسی اور تاریکی نہیں بلکہ امید۔ روشنی اور ہمت دُنیا کا چراغ اور مرہم ہے۔ ضمناً یہ بھی کہدوں۔ کہ اسلام نے مایوسی کو دور کیا ہے۔ ہمت دلائی ہے اور روشنی دکھائی ہے ◆

ایک مثال اور۔ اور میں قریب آجاؤنگا۔ کہ میں نے کسی ایسے مفروضہ کو بھی اپنا رہنما قرار نہیں دیا۔ کہ چونکہ خداوند تعالے کو نبی عربی صلعم سے ہدایت خلق مقصود تھی۔ اس لئے اپنی توفیقات کو اُن پر زیادہ کیا۔ اور اُن کے نفس کو چند مخصوص قابلیتیں عطا کیں۔ جس سے وہ اس قابل ہُوا۔ کہ ہدایت خلق کر سکیں۔ ایک معترض کہتا ہے۔ کہ کیا حق تھا نبی عربی کو۔ کہ خدا اپنی توفیق اُن پر نازل کر کے اُنہیں نبی بنا دیتا۔ عدل خداوندی کہاں گیا۔ کہ اُس نے ایک کے ساتھ مراعات جائز رکھیں۔ اگر اُس کی توفیق ہم پر بھی اسی طرح ہوتی۔ تو ہم

کبھی نبی ہو جاتے۔ اور اس طرح جب خدا کی محض توفیق ہی ہے۔ تو نبی عربی کی خاتی قابلیت کیا ہے۔ انسان تو قابلیت ذات اور شخص کا قائل ہوتا ہے۔ مثلاً فرض کیجے۔ کہ ایک درجہ میں پچیس لڑکے پڑھتے ہیں۔ اُن میں چوبیس لڑکوں کی طرف تو نظام تعلیم کی معمولی توجہ ہے۔ لیکن پچیسویں کے نشو دماغی علمی۔ اخلاقی وغیرہ پر تمام پروفیسروں کی توجہ ہے۔ نتیجہ کیا ہوگا۔ یہ کہ یہ لڑکا چوبیسوں سے زیادہ لائق۔ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ یہ کہ باقی لڑکے یہ کہ سکینگے۔ کہ اگر ہم پر بھی یہی توجہ ہوتی۔ تو ہم بھی ویسے ہی ہو سکتے۔ جیسا پچیسواں لڑکا تھا +

اب ایک منصف کے نزدیک معتدل اور قرین عقل راہ یہ قرار پاتی ہے کہ تمام لڑکے اپنے فطری قوائے کے نشو پر چھوڑ دئے جائیں۔ اور ہر ایک کے ساتھ ایک ہی قسم کی توجہ جائز رکھی جائے۔ ان میں سے جو اپنی قابلیتیں دوسرے پر ممتاز دکھائیگا۔ اُس کا امتیاز صحیح امتیاز ہوگا۔ اور کوئی لڑکا کسی خاص رعایت کی شکایت نہیں کر سکیگا۔ اے حضرات کہا جا سکتا ہے۔ اور یہ انصاف سے دور بھی نہ ہوگا۔ کہ جب آپ اہل عالم سے چاہتے ہیں۔ کہ وہ سُنت الٰہی پر چلیں۔ تو خدا سے کیوں چاہتے ہیں۔ کہ وہ اپنی سنت سے اعراض کرے +

اب تم مجبور ہو کر کہو گے۔ کہ رسول صلعم نے استحقاق قائم کیا تھا۔ کہ خدا نہیں توفیق عطا فرماتا۔ اور اب تم صحیح راستہ پر آؤ گے۔ جب توفیقات کو استحقاق کا نتیجہ قرار دو گے۔ نہ کہ استحقاق کو توفیقات کا نتیجہ قرار دو گے۔ اچھا اب ذرا استحقاق کی شرح کرو۔ اور تم کہو گے۔ کہ اُنہوں نے اپنے قوائے عقلی کو قوانین الٰہی کے سمجھنے میں حرکت دی۔ اُنہوں نے اپنے قوائے عقلی کو اس لئے متحرک نہیں کیا۔ کہ تلذذ جسمانی حاصل کرتے۔ بلکہ انہوں نے تقوے اختیار کیا۔

تقوے کے حقیقی معنوں میں۔ اُنہوں نے اپنے نفس کے قوت دینے میں کوشش کی۔ اور اُسے فطری راستوں سے عظیم بنایا۔ اور جب وہ ایسے ہو گئے۔ کہ توفیقات الہٰی کے مرکز ہو سکتے۔ تو خداوند تعالٰے نے اُن کے اس استحقاق سے اُنہیں اپنی توفیقات کا مورد قرار دیا +

یہ ہے جسے مَیں فطری راستہ کر رہا ہوں۔ اور جہاں نہ انسان کی قابلیت پر حرف آتا ہے۔ نہ عدل خداوندی مورد الزام قرار پاتا ہے۔ اب ہم سے کہینگے کہ پھر تو یہ ہر انسان کے لئے ممکن ہے۔ ہم اقرار کر لینگے کہ ممکن ہے۔ اور اس کے بعد کہینگے۔ کہ اس منطقی ممکن کے بعد ہمیں نبی عربی کا ایسا کوئی عملی ممکن دکھا دو۔ ہم اُسے اپنا ہادی قرار دے لینگے۔ اور تجربہ کہیگا۔ کہ تیرہ صدیوں نے وہ بچہ پیدا نہیں کیا۔ جو یہ کر سکتا۔ کہ ہم بعض امورات میں کبھی اوسکے مقابلہ کا دعوے کر سکتے ہیں +

تو اے حضرات میرے فانی غور اور محدود علم میں یہ روش مستحکم اور محفوظ تھی۔ اگر مَیں نے غلطی کی ہو۔ تو مجھے امید ہے۔ کہ قابل مقررین اور علماء میری ہدایت کرینگے +

ایک بات اس ضمن میں اور باقی رہ جاتی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ نبی عربی کو قانون توریث صفات نے کبھی مدد دی۔ اس میں حکماء میں اختلاف ہے۔ کوئی کہتا ہے۔ کہ توریث صفات ہی سب کچھ ہے۔ کوئی کہتا ہے۔ کہ نہیں فضا اور گرد و پیش سب کچھ ہے۔ مَیں توریث اور فضا دونوں کو لیتا ہوں۔ خیر تو توریث صفات سے کبھی کوئی امر خلاف عدالت نہیں ہو سکتا کیوں کسی نے اور اُس کے باپ دادا نے ویسی ہی ترقی نہیں کی۔ جیسے کسی شخص خاص اور اُس کے والدین نے کی تھی۔ جس سے نشو و ماغی میں مدد مل سکتی

خدا نے تو سب کو مساوی قابلیتیں عطا کی تھیں۔ کسی کا اسباب پر زیادہ غلبہ حاصل کرنا اور اس سے اس کی مدد اس کی اولاد کا بہتر موقع ہونا کسی انفرادی یا مجموعی قوت کو سلب نہیں کر لیتا۔ تو ایسی صورت میں انفرادی کوششوں کے قرین عقل و انصاف مجموعہ کو رعایت کیسے کر سکتے ہیں +

ان مختصر مثالوں سے میں نے اپنی روش کی شرح کی جو کل نہیں کی تھی۔ اور صرف یہی کہا تھا۔ کہ کوئی شخص جو مذہب کے حالات سے مطلع ہے آتا ہے اور اسلام اور شارع اسلام کے مختلف احکام سنتا ہے۔ اور اکثر مسائل کا دوسرے سے مقابلہ کرتا ہے۔ تو وہ دیکھتا ہے۔ کہ خدا ہو۔ کتاب ہو۔ احکام ہوں۔ مراسم دینی ہوں یا مسائل ناممکن الحل کے متعلق کوئی روش ہو۔ وہ اسلام اور رسول کے احکام کو قرین انصاف۔ مؤید بتاریخ اور انسان کے طرز عمل کے موافق پاتا ہے۔ اور جب ایسا ہے۔ تو میرے نزدیک مسائل ناممکن الحل کا تصفیہ یہ ہوتا ہے۔ کہ پھر ایسا شخص مسائل ناممکن الحل میں ہیچ کیوں نہ قرار دیا جائے۔ ایک توحید ہی کو لیجے۔ توریت پڑھئے۔ توحید ملیگی لیکن خداؤں میں بڑا خدا بھی ہوگا۔ مسیحی معتقدات آپ کو معلوم ہیں۔ اگرچہ باپ خدا بھی ہے۔ ہنود کو لیجے۔ پرمیشور ہے۔ لیکن برہما بشنو مہادیو کی تثلیث بھی ہے۔ رسول۔ کمال غش۔ کمال حسن تصفیہ سے توحید کی قدر مشرک پر ملاتے ہیں۔ یعنی مذاہب کے۔ اور تمام ضمیمہ کو جو توحید کے متعلق ہو۔ دور کر کے خالص کر دیتے ہیں۔ پھر شرک نہ کرنے کی شرط کرتے ہیں۔ اور پھر یہ بھی فرماتے ہیں۔ کہ اپنے میں کسی کو اپنا خدا نہ بنا لینا۔ یہ روش رسول کا انصاف اور صلح پسندی ہے۔ جس کا افتخار اور کسی مصلح بنی آدم کو حاصل نہیں ہے +

تو میرا مفروضہ شخص احکام اسلام کو اس قدر فطری اور قرین عقل دیکھ کر

تصفیہ کرتا ہے۔ کہ اگر اسی کا نام اسلام ہے۔ تو عالم اس سے کہ ہم زبان سے اقرار کریں یا نہ کریں۔ ہماری عقل اور فطرت سلیم ہم سے کہ رہی ہے۔ کہ ہم اسلام کے حلقہ بگوش ہیں +

میں نے یہ بھی کہا تھا۔ کہ کیوں نبی عربی کی ذات مقدس پر لغو اعتراضات جائز رکھے۔ اور کیوں اخلاق حق روی اور کانشنس کو اس ضرورت پر قربان کر دیا۔ کہ ان مفتریات سے اپنے گروہ کی حفاظت کی جائے۔ اور پھیلا میں اسلام کے متعلق غلط فہمی پھیلائی جائے۔ اور میں یہ بھی کہ چکا تھا۔ کہ متجاٹی نے بانی اسلام کے نام سے وحشت پوچھنے کے لئے غیر قوموں چیخ اٹھیں۔ اور اکثر امورات اسلامی کے متعلق پسندیدگی سے اپنے خیالات ظاہر کئے۔ اب میں انہیں غیر مسلمین کے خیالات ظاہر کرتا ہوں +

ڈیون پورٹ اپنے رسالہ "اپولوجی فار محمد اینڈ دی قرآن" کی ابتدائی سطروں میں کہتے ہیں۔ کہ "یہ کتاب اس کی شوخ بانہ لیکن پُرجوش کوشش ہے۔ کہ وہ محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تاریخ کو جھوٹے الزاموں اور ناجائز مفتریات سے پاک کرے۔ اور ان کے اس جائز استحقاق کی حمایت کرے۔ کہ وہ بنی نوع انسان کے بڑے محسنوں میں شمار کئے جائیں" +

واشنگٹن ارونگ حضرت کی سوانح عمری کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایک درمیانی زندگی تک (جس سے شاید ہجرت کا زمانہ مقصود ہو) دوسرے اس کے بعد۔ حصہ اوّل کے متعلق وہ کہتے ہیں۔ کہ "ہم نہیں سمجھ سکتے۔ کہ (معاذ اللہ) وہ اس فریب سے جس کا انہیں الزام لگایا گیا ہے۔ کوئی جائز غرض حاصل کر سکتے تھے۔ کیا یہ ثروت کے لئے تھا؟ خدیجہ کے ساتھ عقد نے انہیں امیر بنا دیا تھا۔ اور اپنے دعوے نبوت سے پہلے انہوں نے اپنے

مال ومتاع کی زیادتی کی کوئی کوشش نہ کی تھی۔ کیا یہ امتیاز کے نئے تھا؟ وہ اپنے ہم وطنوں میں اس سے پہلے بلند مرتبہ اور عقل وامانت کے لئے مشہور تھے۔ وہ قریش کے معزز قبیلہ اور اُس کی نہایت معزز شاخ سے تھے۔ کیا یہ افتخار کے لئے تھا؟ کعبہ کی تولیت اور اُس کے ساتھ مقدس شہر کی حکومت برابر اُن کے خاندان میں تھی۔ اُن کا آئندہ موقع اور اتفاقات اس پُر افتخار منصب کے لئے امید خیز تھا (اس کے برعکس) اُس دن کے مٹانے میں جس میں اُن کا نشوونما ہوا تھا۔ وہ اُن فوائد کی جڑ کاٹ رہے تھے جس دن پر اُن کے اور اُن کے خاندان کی قسمت موقوف تھی۔ اس پر حملہ کرنے سے وہ اپنے اعزا کو اپنا دشمن۔ ہم وطنوں کو اپنا مخالف۔ اہل ملک اور پرستاران کعبہ کی ملامتوں کا اپنے کو ہدف بنا رہے تھے۔ کیا ابتدائے بعثت میں کوئی بات ایسی شاندار تھی۔ جو ان کو ان قربانیوں کا صلہ دیتی؟ اور آگے بڑھاتی رہتی؟ اس کے بالعکس اُن کی دعوت شب اور حالت اخفا میں ظاہر کی گئی۔ برسوں تک اسے کوئی بڑی کامیابی نہ ہوئی بلکہ جس جس طرح انہوں نے اپنے احکام اور الہام کو ظاہر کیا۔ لوگ تمسخر۔ طنز۔ اور آخر میں ایذا رسانی پر مستعد ہو گئے۔ جس نے اُن کی اور اُن کے دوستوں کی حالت کو ابتر کر دیا۔ اُن کا خاندان اور مقلدین جلاوطنی پر مجبور ہوئے۔ خود وہ اس پر مجبور ہوئے کہ اپنے کو لوگوں کی نگاہ سے چھپائیں۔ اور دوسری جگہ اپنا گھر بنائیں۔ کیوں وہ برسوں ایسے فریب (خاکم بدہن) پر مُصر رہتے۔ جو اُن کی دُنیاوی حالت کو خراب کرتا جاتا تھا۔ خصوصًا عمر کے اُس حصہ میں جبکہ نقصان کی تلافی دشوار تھی"۔

ان سطروں میں وہ دین جس میں اُن کا نشوونما ہوا تھا"۔ اگر دین اور نشو میں مورخ نے کوئی نسبت دی ہے۔ تو ہم مسلمانوں کو اس سے انکار ہے۔ اور یہ موید

بتا دیتا ہے۔ کہ ہادی برحق میں شرک کی طرف سے خلقی تنفر عطا فرما کر خدا تعالٰے
نے ہمیشہ محفوظ رکھا۔ اگرچہ وہاں سن طفولیت ہی کیوں نہ ہو۔ نیز شبہ کا لفظ
بھی ہم مسلمانوں کو قبول نہیں ہے۔ اس میں غیر مسلم مورخین نے شبہ کے مفہوم
کا بہت پھیر کیا ہے۔ اور اس حالت کی آڑ لی ہے۔ کہ پہلی مرتبہ جب جبرئیلؑ نازل
ہوئے۔ اور جناب رسالتمآب نے حضرت خدیجہؓ سے اپنے اس نئے
تجربہ کا ذکر کیا۔ اور ورقہ ابن نوفل نے تصدیق کی۔ تو کہا گیا ہے۔ کہ اگر انہیں
یقین ہوتا۔ تو وہ دوسرے سے تصدیق کیوں کراتے۔ یا یہ کہ جب کچھ دن وحی
نہ آئی۔ تو انہیں خیال ہوا۔ کہ نبوت مجھ سے ساقط ہو گئی۔ حالانکہ ایک نئے
تجربہ کے بعد ذکر کرنا اور کسی کا تصدیق کرنا یا تسکین دینا دونوں فطری تھا۔
یقین تو تجربہ کی تکرار سے ہوتا ہے۔ اور یہ کیسے کہا گیا۔ کہ پہلے تجربہ کے بعد
آئندہ کے لئے انہیں شبہ تھا۔ جو کچھ استعجاب تھا۔ وہ واقعہ کے نئے پن
سے تھا اور بس۔ شبہ سے اسے کوئی نسبت ہی نہ تھی۔ اور وقفہ وحی میں
بھی سرور عالم منتظر رہتے تھے۔ نہ یہ کہ وہ اپنی نبوت پر شبہ کرتے ہوں +

کارلائیل حضرت کے متعلق دروغ بیانیوں پر افسوس کرتا ہوا کہتا ہے۔
"کیا ہم اسے مان لیں۔ کہ نبی عربی کے احکام روحانی فریب تھے۔ احکام جن پر
خداوند تعالٰے کی اسقدر مخلوق جئے اور مرے ہیں۔ یہ الزامات لادوریت کے زمانہ
کی کاشت ہے۔ جس سے اس زمانہ کی مردہ اور مغلوج روحانیت کا ثبوت
ملتا ہے۔ یہ ملحدانہ مفروضات ہیں۔ میں تسلیم نہیں کرتا۔ کہ کبھی ایسا مفروضہ
دنیا میں شائع ہو سکتا ہے۔ کہ ایک محض جھوٹے شخص نے ایک مذہب کی
بنیاد ڈالی۔ یہ اس طرح صدیوں قائم نہیں رہ سکتا۔ کہ اٹھارہ کروڑ آدمی اس میں
بسر کر سکیں۔ اسے فطرت کے قوانین اور جمیعت اشیاء کی موافقت کرنی

پڑیگی۔ورنہ فطرت اُسے جواب دیگی کہ نہیں ہرگز نہیں۔ایک بڑے آدمی خصوصاً نبی عربی کے لئے میں اس اقرار کی جرأت کرونگا۔کہ مجھ آدرسو یخنا۔کہ وہ بجز بیچ کے کچھ اور ہوں۔قابل امتیاز نہیں ہے"؂

پروفیسر لیونارڈ اپنے لکچر میں توحید اور اسلام سے بحث کرتے ہُوئے کہتے ہیں۔کہ "اسلام کا قانون نہیں بدلا۔اور دُنیا کے قوانین اُس کے موافق ہوتے جاتے ہیں"+

مدراس کی مردم شماری کی رپورٹ ۱۹۱۱ء میں مسٹر مولوی ای۔سی۔ایس کہتے ہیں۔ "لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ایک فقرہ ہے جو آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے۔اور اپنے طریقہ سے تمام باتوں پر حاوی ہے۔وہ لوگ جو اس جملہ کے آخری فقرہ سے محترز ہیں اُن سے کہا جا سکتا ہے کہ خود نبی عربیؐ نے اسے حضرت کا لازمی جزو قرار نہیں دیا۔لیکن معاملہ اگر بغیر کسی جذبہ اور تعصب کے دیکھا جائے۔جہاں تک انسانی منطق کام دے سکتی ہے۔تو دوسرا فقرہ پہلے فقرہ کا منطقی ضمیمہ ہے۔ایک اور صرف ایک حقیقی خدا کا وجود مان لو۔اور پھر اس کے بعد یہ مفروضہ مشکل ہو جاتا ہے۔کہ جس نے مشرکین عرب کو اس مذہب کی تلقین کی۔اور وہ مقبول ہُوئی۔اور وہ تعلیم ایک سو اسی ملین آدمیوں کی رہنمائے حیات ہے۔وہ خدا کا رسول نہ تھا+

موڈرن ریویو میں رائے بہادر سرت چندر داس "چین اور ایشیا کے بلند مقامات میں اسلام" کے عنوان سے لکھتے ہیں۔رُوح اسلام اس قابل ہے کہ وہ انسان کو بلند حالت پر پہنچا ہے۔اسلام معاشرت میں پستی اور بلندی کو قبول نہیں کرتا۔کوئی جو اسلام میں داخل ہے۔وہ افریقہ کا ہوٹنٹوٹ ہو یا ہندوستان کا چمار اور چنڈال وہ دین کے بڑے دولتمند اور شریف سے مساوات کا دعوے کر سکتا ہے۔دوسرے مذہب کی یہ حالت نہیں ہے۔اسلام میں کوئی پست یا ناقابل مس فرقہ نہیں ہے۔بلکہ اسلام میں ایک معاشرتی روحانی اور جمہوری حکومت ہے جس کے صدر انجمن محمد مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وسلم) عبد خدا ہیں"؂

والٹیر فرانس کے مختلف طبقہ کے پادریوں کو مخاطب کر کے کہتا ہے۔کہ اگر تمہارے اوپر ایک قانون نافذ کیا جائے۔کہ تم چار بجے صبح سے دس بجے رات تک جولائی کے مہینے میں کچھ نہ کھاؤ۔اور نہ پیو۔شراب اور جوئے سے پرہیز کرو۔دہکتے ہوئے ریگستان میں مراسم مذہبی کے لئے سفر کرو۔اپنی آمدنی سے اڑھائی فی صدی غربا پر صرف کرو۔اور اٹھارہ بیبیوں کے عادی ہو کر

چار پر اکتفا کرو۔ تو کیا تم اسے ایک شہوانی مذہب کہو گے"؟

اے حضرات تعدد ازدواج کے متعلق جرمنی کے مشہور فلسفی شوپن ہیور

کا نوٹ جو چند روز ہوئے لیڈر میں شائع ہوا تھا میرے پاس سے ضائع ہو گیا

ورنہ میں پیش کرتا۔ اخبار نیر ایسٹ دسمبر ۱۹۰۳ء میں ڈاکٹر سعدی بی کا مضمون

بھی آپ دلچسپی سے سُن سکتے ہیں۔ جس کا عنوان ہے "اسلام بیسویں صدی

میں"۔ لیکن جس قدر وقت میں نے صرف کیا ہے۔ اُس سے مجھے

جرأت نہیں ہے۔ کہ میں آپ سے کچھ اور وقت کی درخواست کروں میں

صرف اس قدر عرض کرنے پر اکتفا کرونگا۔ کہ انہوں نے کہا ہے کہ اسلام

اب تک تحریک خیر کے لئے ایک زندہ قوت ہے۔ اور اس کی بنیاد

عقل اور منطق پر ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ تعدد ازدواج پر بڑا اعتراض ہے

لیکن ذرا مسیحی ممالک طلاق کی عدالتوں کی روزانہ مسلیں دیکھو۔ کہ ان میں کیسی

شرمناک باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ اور اس کے بعد اس پیش بینی کا اعتراف آسان

ہو جائیگا۔ جس نے آئندہ کی ضروریات کا لحاظ کیا۔ اور جس کی وجہ سے مسلمانوں کا

قانون عقد و طلاق مسیحی ممالک کے قوانین سے مقابلہ میں بہتر ٹھیرتا ہے"۔

اسلام کی مختلف حیثیتوں کا ذکر کرنا اور قرآن مجید کی یاد دہانی سے خاموش

رہنا میرے نزدیک ایک مستحکم اور ناقابل مقابلہ تاریخی شہادت سے اعراض

کرنا ہوگا میرے لئے آسان تھا کہ اس سبجکٹ پر اعجاز التنزیل کی ایسی مفید

کتاب کا نام لے دیتا۔ لیکن مجھے آپکے صبر سے امید ہے۔ کہ مجھے

رائٹ آنریبل سید امیر علی صاحب بالقابہ کی کتاب تنقید الکلام سے چند

فقرے عرض کرنے کی اجازت دینگے۔

"عربی زبان کو جس چیز نے ایک باقاعدہ اور مضبوط بنیاد پر قائم کر دیا۔

اور باقی رکھا۔ وہ قرآن مجید ہے۔ اور یہ کتاب ہے جس کی برکت سے
عرب نے اتنے ملک فتح کر لئے۔ جو سکندر اعظم کی مملکت سے عظیم تر اور
سلطنت قاہرہ رومۃ الکبریٰ سے وسیع تر تھا۔ اور جن ممالک کو سکندر اعظم
اور رومیوں نے صدہا برس میں فتح کیا تھا۔ اُن کو عرب نے دس بارہ برس میں مسخر
کر لیا۔ اور یہ کتاب ہے۔ جس کی برکت سے تمام اولاد سام بن نوح میں صرف
عرب نے یورپ میں مرکز سلطنت کی۔ . . . . علم کا چراغ روشن کر کے تمام دُنیا کو
دکھا دیا۔ اور جس زمانہ میں ظلمت و جہالت تمام یورپ میں تھی۔ عرب ہی نے
یونان کے علم و حکمت کو دوبارہ زندہ کر کے فلسفہ و طب و ہیئت و شعر و سخن
سکھایا۔ اور اندلس کو گہوارۂ علوم جدیدہ بنا دیا۔ . . . . قرآن کی حقیقت کیا بیان
کی جائے۔ کہ وہ کیسی کتاب ہے۔ اور اُس میں سادگی کے ساتھ کس قدر
بلند پروازی ہے۔ کیسی پاکیزہ اور عمدہ استعارات سے مملو ہے۔ اور
کیسے کیسے مضامین آبدار ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک ناصح امین
نصیحت کر رہا ہے۔ اور ایک حکیم فلسفی اسرار و غوامض حکمت الٰہی بیان
کر رہا ہے۔ اور ایک ستم رسیدہ محب وطن جوش و خروش اور ولولہ دل سے
اپنی قوم کی بداعمالی اور ذلت و خواری پر زجر و توبیخ کر رہا ہے۔ اور ان سب
اُمور کے ساتھ ہی خداوند تعالےٰ ایک عبد صالح کے ذریعہ سے اُن اُصول
حقہ کو جن پر کل عالم اخلاق کا دار و مدار ہے۔ کیونکر ظاہر کر رہا ہے۔ اور جو رعب
و ہیبت احکام قرآن کو سُن کر اُس زمانہ کے بڑے بڑے شعرائے عظام
پر طاری ہوتی تھی۔ اُس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اس کلام پاک
کی کیسی قوی تاثیر اُس قوم پر ہوتی تھی۔ گو قرآن مجید کی آیات اس وجہ سے متفرق
و پریشان معلوم ہوتی ہیں۔ کہ مختلف اوقات میں نازل ہوئیں۔ اور اُن مقامات

میں نازل ہوئیں جبکہ کفار طرح طرح کی ایذائیں او حسد سے آنحضرت کو پہنچاتے رہتے تھے۔ یا جب میدان کارزار میں مصروف جہاد تھے۔ یا صرف مقاصد علمی کے لئے نازل ہوئی تھی۔ تاہم قرآن مجید میں ایک قوت و متانت اور ایک جوش و ولولہ ایسا پایا جاتا ہے جس سے اس آیہ وافی ہدایہ کی تصدیق ہوتی ہے۔ کہ "ماینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ" +

ڈیون پورٹ کہتے ہیں "بہت سی خوبیوں میں جس پر قرآن کو فخر ہو سکتا ہے دو نہایت ہی ممتاز ہیں۔ ایک عظمت اور احترام کا لہجہ ہے۔ جو خدا کا نام لینے اور اُس کا حوالہ دینے میں ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اور آپ نے کبھی انسانی کمزوریاں اور جذبات سے منسوب نہیں کرتا۔ دُوسرے قرآن تمام ناپاک۔ خلاف اخلاق۔ کریہ خیالات۔ اظہارات اور الزامات سے مبرّا ہے۔ جو افسوس کے ساتھ کتب مقدسہ یہود میں اکثر پایا جاتا ہے۔ ... قرآن نے جو مذہب قائم کیا ہے۔ وہ سخت اور شدید توحید ہے" +

حضرات! میری تقریر کا آخری حصہ اور بس چند منٹ کے بعد آپ مجھ سے کلو خلاص ہو جائینگے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ اس دور الحاد میں جب کہ گویا خدا کی حکومت دُنیا سے اُٹھتی جاتی ہے۔ اور مذہب کی طرف سے بے التفاتی پیدا ہوتی جاتی ہے۔ مسیحیت جس کے نشر کے متعلق آپ میں سے اکثر حضرات جانتے ہونگے۔ کہ کس کس طریقہ سے بے کسل منتظم کوشش کی جارہی ہے۔ اور روپیہ سیلاب کی طرح بہ رہا ہے۔ خود اپنے مرکزوں میں اُس کی کیا حالت ہے۔ مجھے اس وقت اس کی ضرورت نہیں ہے۔ کہ میں رشتہ بہ بیں کی بعض کتابوں کی طرف آپ کی توجہ مائل کروں۔ بلکہ صرف بعض اخبارات اور میگزینوں سے چند

باتیں عرض کرتا ہوں:-

ریورینڈ کے۔سی۔اینڈروز۔ڈی۔ڈی کہتے ہیں۔کہ "اعلےٰ نقادی کا یہ نتیجہ ہے۔کہ چاروں اناجیل بہ حیثیت تاریخی سِل کے ایک شکستہ ڈھانچہ ہے" +

لٹریری ڈائی جسٹ میں کرسچین اڈووکیٹ سے نقل کیا ہے۔کہ "بہت کم ہیں جو قدیم معتقدات اور شان کی روح پر قائم ہیں۔ اور بہ لحاظ اس کے کہ بہت سے مذہب کے بیرونی حلقہ کی طرف نکل گئے ہیں۔ اگر مذہبی رسومات کی بعض خارجی شکلیں قائم نہ ہوتیں۔تو مسیحیت کی تمام نشانی مٹ جاتی" +

کوئی ریویو آف ریویوز میں افسوس کرتا ہے۔کہ "جس وقت سے بودھ بودھ اور مسلمان مسلمان ہیں۔ہم عیسائی عیسائی نہیں رہے" + پرتگال۔روس۔جرمنی اور فرانس میں کہیں گرجے خالی پڑے ہیں۔تو کہیں لوگ سوشلیسٹ اور دہریہ ہوتے جاتے ہیں۔کہیں سو میں ایک آدمی گرجے جاتا ہے۔ اور کہیں بچوں کو کچھ دنوں تک تو اخلاقی اور مذہبی تعلیم دی جاتی ہے لیکن آخر میں یہ لغو اور نشو و نما دماغی کے لئے مضر سمجھی جاتی ہے +

اب اسلام کی کیا حالت ہے۔جس کے لئے نہ کوئی فنڈ ہے۔نہ مشنری سرگرمی ہے نہ انتظام ہے +

مسٹر مارل کہتے ہیں۔کہ "نائیجیریا میں بمقابلہ اسلام مسیحیت کی ترقی سے مایوسی ہے"۔وہ کہتے ہیں "جہاں مسیحیت ناکامیاب رہتی ہے۔اسلام کامیاب ہوتا ہے" +

ہیری جانسٹن کہتے ہیں۔ کہ "افریقہ کے حبشی کے لئے اسلام ایک رحمت ہے"+

پادری ڈبلیو۔ اے۔ ایس ہالینڈ افریقہ میں مسیحیت اور اسلام کی ترقی کے متعلق کہتے ہیں۔ کہ "اگر مسیحیت ایک مسیحی بناتی ہے۔ تو اسلام دس بناتا ہے"+

بلغاریہ کی نئی عملداری میں ایک مسلمان قوم رہتی ہے جس کا پوماک نام ہے۔ جو جنگی انقلابات کے زمانہ میں بہ جبر مسیحی بنالی گئی تھی۔ اب نیر ایسٹ فروری ۱۹۱۴ء میں خبر آئی ہے۔ کہ "بلحاظ ان احکام کے جو حکومت بلغاریہ نے ایک مہینہ ہوا۔ کہ شائع کئے تھے۔ کہ پوماک لوگوں کو ہر طرح کی سہولتیں اسلام میں واپس جانے کے لئے دینی چاہئیں اگر ان کی خواہش ہو۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ سنئے بلغاریہ میں کوئی ایک مسیحی پوماک نہیں ہے۔ اور وہ تمام مسجدیں جو اثنائے جنگ بلقان میں گرجا بنا لی گئی تھیں اب پھر مسجدیں ہو گئیں"+

خود پنجاب کی مردم شماری کی رپورٹ میں کہا گیا ہے۔ کہ پنجاب کی آبادی میں غیر قوموں سے چالیس ہزار آدمیوں نے اسلام قبول کیا۔ اور وہ لوگ جنہیں گروہ انسانی کے جزر و مد دیکھتے رہنے کی مہارت ہے۔ کہتے ہیں۔ کہ اسلام کی مردم شماری ہمیشہ بڑھتی جائیگی+

اے حضرات! یہ صحیح ہے۔ کہ خدا اپنا چراغ آپ جلائیگا۔ لیکن اگر ہم خدا کے احسان شناس بندے ہیں۔ تو ہمیں چاہئے۔ کہ ہم خدا کے دین کی روشنی مخلوقات تک پہنچائیں۔ اور یہ اُس وقت بوجہ احسن ہو سکیگا۔ جب ہم اپنا نفاق جہل اور افلاس دور کرینگے۔ اور بے کسل کوشش

پر آمادہ ہو جائینگے۔ اور اسے اپنا اسلامی فرض سمجھینگے ◆

اے حضرات! میں اس کا قائل ہوں۔ کہ دُنیا میں برائے نام توحید تھی۔ قانون تھا۔ مذہب تھا۔ اخلاق تھا۔ مدنیت تھی۔ لیکن مکمل اسلام نہ تھا اس لئے کہ اسلام ان تمام باتوں کے مجموعہ اور بہترین تصفیہ کا نام ہے۔ اور اسی بنیاد پر مسلمانوں کو یہ جائز افتخار ہے۔ کہ اسلام کامل ترین شریعت ہے۔ اور کوئی حکم جس کی انسان کو دُنیا میں ضرورت ہُوا کرتی ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ جسے خدا اور اُس کے رسول ؐ نے بتا نہ دیا ہو۔ اس لئے کہ احکام اسلام پہاڑ پر بیٹھ کر نہیں شائع کئے گئے تھے۔ بلکہ انسانوں میں بیٹھ کر۔ انسان کے دُکھ سُکھ کو سمجھ کر اور انسان کے افعال و خیال پر حاوی ہو کر دئے گئے تھے۔ ان کا بتانے والا وہ ہے۔ جو سب کی ضروریات سے واقف ہے۔ میں نے اکثر سُنا ہے۔ کہ مسلمان بہت متعصب ہیں۔ ارے بھائی کیوں متعصب ہیں۔ اس لئے کہ اُن میں خود پسندی ہے۔ اور دوسرے کے مذہب کی خوبیوں پر غور نہیں کرتے۔ خوب۔ اسلام ہی وہ مذہب ہے۔ جو تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم کہتا ہے۔ اور دیگر مذاہب کی خوبیوں کو گوارا کرتا ہے۔ اگر وہ حقیقۃً خوبیاں ہوں۔ اور اپنے کو خوبیوں کا مجموعہ کہتا ہے۔ اور پھر میرے نزدیک یہ انسانی پسند کے خلاف ہے۔ کہ وہ کابل کے بڑے کے سامنے کدو پسند کرے۔ کیونکہ وہ بہتر شے پسند کیا کرتا ہے ◆

بس اے حضرت! میں اپنی تقریر ختم کر چکا۔ خداوند تعالےٰ نے انبیاء کو جو کچھ سکھایا۔ وہ اس لئے تھا۔ کہ لوگوں کی ... کی اصلاح ہو۔ ہمارے ہادی برحق کی ذات اقدس کا طویل عمل جیسی مثالیں پیش کرتا ہے۔ اسکی

بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہم اُن کی پیروی سے کسی نبی کے الہام کو فروگذاشت نہیں کرتے +

اب اے حضرات! آپ سمجھ سکتے ہیں کہ مجھے کس بات کا فخر تھا۔ مَیں فخر کر رہا تھا کہ مجھے اُس اسلام کی بعض حیثیتوں کے ذکر کا شرف حاصل ہُوا۔ جس سے بقول ہادیٔ برحق کے ایک شاگرد کے "کوئی شرف اعلےٰ نہیں ہے" +

اب کوئی شخص جو میری تقریر کی ترکیب اور تشریح کریگا۔ وہ اُس کے مضامین کی فہرست کو ہادیٔ عالم کی بتائی ہُوئی اُس حدیث میں پائیگا۔ جس پر مَیں اپنی تقریر ختم کرتا ہُوں۔ کہ :-

الحمد للہ الذی فضّلنی علیک بالاسلام دیناً و بالقراٰن کتاباً و بمحمد نبیاً و بالمومنین اخواناً و بالکعبۃ قبلۃً +

ریاضؔ